جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انورشاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

اکتوبر ۲۰۱۹ء، جلد نمبر ۲۰، شمارہ نمبر ۱۰، سلسلہ نمبر ۱۸۳

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا فضیل احمد ناصری
08881347125

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انورشاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

Composed By: Huda Computers Deoband 9456422412

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات	سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

قرطاس و قلم

مدارس کے نصاب و نظام سے متعلق ایک اہم مکتوب	حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ	۶
خدا کا ہندوستانی تصور	مولانا ابو الکلام آزادؒ	۱۱
ملائکہ پر آدم علیہ السلام کی برتری	حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ	۱۷
عظمتِ رفتہ کی واپسی کا واحد راستہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۸
افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیقؓ	مولانا محمد الیاس گھمن صاحب	۳۲
صحبتِ صالح	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر	۴۰
ماہِ صفر کی بدعات اور ایک من گھڑت حدیث کا جائزہ	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۴۳
قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مولانا محمد عبد اللہ معتصم	۵۱
جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا فضیل احمد ناصری	۵۵

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی

۵۵/دن گزر جانے کے باوجود کشمیر میں صورتِ حال جوں کی توں ہے قومی سیکورٹی کے ایڈوائزر مسٹر اجیت ڈوبھال کی ''بریانی خوری'' سے لے کر سری نگر کی بکرا منڈی میں حاضری تک کی تمام کوششیں حالات کو نارمل اور معمول کے مطابق باور کرانے میں ناکام رہیں۔ ۸/۹/۱۹ء کو ان کا قومی اخبارات میں شائع شدہ بیان کشمیر کے حالات کے پس منظر میں موصوف کی ذہنی کشمکش اور تناؤ کا عکاس ہے! عالمی سطح پر اٹھنے والے سوالات، عام زندگی کے طویل دورانیہ کے لیے بند دروازے اور ۸۰/لاکھ لوگوں کے کل دنیا سے منقطع ہوجانے کے واقعہ نے حکومت کی پالیسی پر سوالیہ نشان جلی قلم سے لگادیئے ہیں۔ یہ کتنا حیرت انگیز ہے کہ حکومت دفعہ ۳۷۰ اور 35A کے خاتمے کو اہل کشمیر اور کشمیر کی صحت وتندرستی کے لیے طاقت ور اور صحت افزا ٹانک قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے اور کشمیری گویا کہ نادان اور ضدی بچے ہیں کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر انتہائی تلخ اور کڑوا مکسچر حلق سے نیچے دھکیلنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ وادی میں ایک مہیب سناٹا اور مدہش خاموشی کی چادر تنی ہے۔ دفعات مذکورہ کے خاتمے کے یکطرفہ فیصلے کے وقت حکومت سے وابستہ سیاسی جماعتوں کے لیڈران جو''علیحدگی پسندوں'' کی نظر میں پہلے ہی ناپسندیدہ تھے، ان کی گرفتاری ونظر بندی نے بھی وادی کی سیاسی صورتِ حال کو بے حد پُراسرار بنادیا، ان کے ساتھ یہ کارروائی حکومت کا ان پر عدمِ اعتماد کا واضح عندیہ ہے؛ چناں چہ از سرنو اب ان کو اپنی ترجیحات اور سوچ وفکر کے دھارے متعین کرنے ہوں گے جو ممکنہ طور پر موجودہ حکومت کے فکر وعمل سے ہم آہنگ نہیں ہوں گے۔

اس صورت حال میں پڑوسی ملک کی بھاگ دوڑ اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اچھل کود مضحکہ خیز ہے، جن کا کشمیر یا اہل کشمیر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا، تاہم اس کے ہاتھ ایک ایشو لگ گیا، جب کہ وہ اپنی داخلی سیاست اور کھینچا تانی ''زرداری وشریفی''، نیز مذہبی وسیاسی جماعت ''جمعیۃ علمائے اسلام'' کی آویزشوں اور

رُستاخیزیوں سے لبِ دم تھا، اس نے تائیدِ غیبی سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر اس کی گونج مظفر آباد سے نیویارک کے ایوانوں تک سنی گئی۔

اس پس منظر میں ملّی تنظیمیں بھی مضبوط اور باوقار کردار کا مظاہرہ نہ کرسکیں، کم ازکم بنیادی انسانی حقوق کی بحالی کے لیے تو دو لفظ کہے جا سکتے تھے، اس کے برخلاف دہلی سے جینوا تک ''سب خیریت ہے'' کا پیغام عام کیا گیا اور ایک ''داخلی'' مسئلہ دیکھتے ہی دیکھتے عالمی شہرت پا گیا۔

دفعات مذکورہ کے خاتمے کے اسباب و وجوہات بھی ظاہر ہونے لگیں، مودی حکومت 2 کے پاور میں آنے کے بعد یہ پہلا بڑا ضمنی الیکشن مہاراشٹر اور ہریانہ میں منعقد ہو رہا ہے، جس میں کسی ایسی ہی جاذبِ قلب و نظر کارکردگی دکھانے کی ضرورت تھی، چناں چہ بی جے پی کے قومی صدر صاحب نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ یہ الیکشن دفعہ 370 پر لڑا جائے گا، اور چیف آف آرمی اسٹاف مسٹر بپن راوت بھی برسرِ اقتدار پارٹی کو تقویت پہنچانے کے لیے میدان میں کود پڑے۔

حکومت ہند کے ذمہ داران کو چاہیے کہ کشمیر میں انسانی جمہوری بنیادی حقوق بحال کرے، وادی کی لگ بھگ ایک کروڑ کی آبادی کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جاسکتا۔

❁❁❁

چندریان 2 انتہائی کامیابی کے مراحل میں داخل ہونے کے بعد اچانک ناکامی سے دوچار ہوگیا، واقعتاً یہ قومی سانحہ ہے، اس پروجیکٹ میں تقریباً پوری ہی قوم کی قربانیاں کسی نہ کسی صورت میں شامل تھیں، لگ بھگ ایک ہزار کروڑ روپیہ کا یہ منصوبہ اپنی بنیاد میں جہاں بلند عزائم، شبانہ روز کی مساعی، خونِ جگر سے سینچے جانے اور سائنس دانوں و ماہرین کی راحت و آرام کی قربانیوں کے ساتھ، ملک میں سینکڑوں بچوں کی بروقت گیس سلنڈر مہیا نہ ہونے سے اموات، اسکولوں میں نمک کے ساتھ سوکھی روٹی کے نوالے حلق میں دھکیلنے کی حقیقتیں بھی شامل ہیں، کسانوں کا خون نچوڑ کر بزنس مینوں کی تجارت کو قربان کر کے تقریباً سماج اور معاشرہ کے ہر طبقے نے اس میں اپنی حصہ داری لگائی تھی۔ کاش یہ کامیاب ہوتا تو آج ہمارے ملک کا شمار دنیا کے ان ممالک کی فہرست میں جو چاند پر کمند ڈال چکے؛ چوتھا ہوتا۔ زمین اور اہل زمین کے مسائل تو ہم حل کر چکے تھے، صحت، روزگار، زراعت و تجارت، محفوظ ماحول اور پُرسکون زندگی کے تمام معاملات پر

قابو یاب ہونے کے بعد اب چاندوالوں کی پریشانیاں، غربت وفلاکت، بے روزگاری وصحت، عدم تحفظ و سلامتی جیسے اہم معاملات درست کرنا ہیں۔ یہ بھی عجیب ہے کہ خالص اس تحقیقی شعبے کی کارکردگی کو بھی سیاسی فوائد کے حصول کا ذریعہ بنالیا گیا۔ بہرحال ہم مستقبل میں گگن یان 3 کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات پیشگی پیش کرتے ہیں۔

۞۞۞

معیشت کی بدحالی کی اطلاع دینے والی کمزور اور مدھم لہجوں کی سرگوشیاں اب دھیرے دھیرے طاقتور اور مضبوط انداز میں بانگ دہل اعلان کررہی ہیں۔ تحقیقات ودلائل کا انبار اپنے جلو میں رکھتی ہیں، اعداد وشمار پیش کیے جارہے ہیں اور تقریباً ہر شعبۂ حیات ومعاش میں تیزی کے ساتھ گراوٹ دکھائی جارہی ہے، ملک میں اس صورتِ حال پر گومگو کی کیفیت ہے، معاش ومعیشت کا ہر شعبہ سست روی کا شکار ہے۔ صنعتیں، کارخانے، انڈسٹریز، فیکٹریاں دھڑادھڑ بند ہورہی ہیں۔ ملازمین وکارکنان کے روزگار ختم ہورہے ہیں۔ ملکی وغیر ملکی کارخانے اور کمپنیز اپنے ملازمین کی تعداد میں تخفیف اور پیداوار میں کمی کررہی ہیں، تجارت کے متعدد اہم شعبے بدحالی وخسارے کا نشانہ بن کرنگم بودھ گھاٹ پر اپنا کریا کرم کراچکے، اس محاذ پر بھی حکومت کے بیانات اور دلاسے کھوکھلے وبے بنیاد ہیں، سسکتی معیشت کو دوچار سانس اور وینٹی لیٹر پر ڈالنے کے لیے ریزرو بینک کی ریزرو رقم سے بہ جبر تقریباً ایک لاکھ چھیتّر ہزار کروڑ روپیہ لیا گیا، حزبِ اقتدار کے فکری و نظریاتی قائد سبرامنیم سوامی بھی حالات کے خراب تر ہوجانے سے پریشان ہوکر وزارتِ خزانہ کی خاتون سربراہ پر یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوگئے کہ محترمہ کو اعداد وشمار، نیز معاشیات کی باریکیوں اور معیشت کے اتار چڑھاؤ کا کچھ علم نہیں، مزید اس شعبہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ حکومت کے پاس نہ اس میدان کے لیے مردِ میدان ہیں اور نہ ہی کوئی منصوبہ، ان حالات سے ملک کے تمام ہی شعبوں میں غیر یقینی صورتِ حال ہے، مزید کچھ بینکوں نے محدود رقم ہی نکالنے کی تجویز سے عام لوگوں کے اضطراب کو دوآتشہ کردیا، حکومت کو چاہیے کہ وہ فوراً پائیدار اور مضبوط اقدامات کرکے معیشت سے ختم ہوتے اعتماد کو بحال کرے۔

۞۞۞

مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق
حضرت حکیم الاسلامؒ کا ایک اہم مکتوب

مولانا عبدالصمد صاحب جامعی مدرس مدینۃ العلوم کشمیر موصوف نے شیخ محمد عبداللہ صاحب کشمیری کی ایماء پر مدرسہ کے نصاب تعلیم میں مناسب تجدید وتبدیلی کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف مدارس کا دورہ کیا اس سلسلے میں ان کا دارالعلوم بھی آنا ہوا تھا اور وہ اپنے ساتھ شیخ عبداللہ صاحب کا ایک سفارشی خط بھی لائے تھے، حضرت حکیم الاسلامؒ نے جناب شیخ صاحب کو جواب میں جو خط لکھا تھا اس میں مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق کئی قیمتیں باتیں تھیں، افادۂ عام کے لئے یہ خط پیش خدمت ہے۔(ادارہ)

محترم شیخ عبداللہ صاحب کا سفارشی خط درج ذیل ہے:

۳ر کوٹلہ لین، نیو دہلی، ۲ر ماہِ جنوری ۱۹۷۰ء

مولانا محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کرتا ہوں کہ آپ کے مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔

حامل خط جناب مولانا عبدالصمد صاحب جامعی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں اور پرانی یادیں تازہ کرنے کے لئے دیوبند تشریف لے جارہے ہیں، یہ مدینۃ العلوم حضرت بل میں پڑھاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف دینی، تعلیمی اداروں کا معائنہ ومطالعہ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، تاکہ مدینۃ العلوم کے نصاب میں مناسب تجدید وتبدیلی کرنے میں مددمل سکے۔ اس لئے مجھے امید قوی ہے کہ آپ براہِ کرم انہیں زریں مشوروں اور مناسب سہولتیں بہم پہونچانے میں ان کی امداد فرمائیں گے۔

میں مع اہل وعیال کچھ مدت کے لئے دہلی آیا ہوں اور کوٹھی، پتہ متذکرہ صدر میں مقیم ہوں، اپنی

دعاؤں سے یاد فرمائیں۔

خیر اندیش: شیخ محمد عبداللہ کشمیری

حکیم الاسلامؒ کا جوابی خط

نحمدہ ونصلّی

عالی قدر محترم زید مجدکم!

سلام مسنون، نیاز مقرون

الطاف نامہ نے ممنون یادآوری فرمایا۔ مولانا عبدالصمد صاحب تشریف لائے کرم فرمایا، دارالعلوم میں مقیم ہیں، دارالعلوم کا معائنہ فرمایا، یہاں انتظامی تعلیمی نظام (لٹریچر) پیش کردیا گیا اور وقتاً فوقتاً تعلیمی اور انتظامی امور میں تبادلۂ خیالات بھی ہوتا رہا اندازہ یہ ہے کہ ممدوح الصدر دارالعلوم کی تعلیم وادارہ کے نظم کو اور یہاں کے ذوق کو سمجھ چکے ہیں۔

جناب والا کا انہیں مدارس کا نظام تعلیم وتربیت سمجھنے کے لئے بھیجنا مدرسہ مدینۃ العلوم کے لئے نیک خواہشات اور متمنیات کا اظہار فرمانا ہے جس سے غیر معمولی مسرت ہوئی اور امید بندھ گئی کہ اس مدرسہ کی ترقی اور افادیت کے عموم کا وقت آ گیا ہے جس سے یہ مدرسہ کشمیر کے لئے ایک مثالی اور مرکزی تعلیم گاہ بن جائے گا۔

جناب والا کی قومی خدمات اور اس سلسلہ میں محنت کشی، اخلاص کوشی اور ایثار کشی سے کون انکار کرسکتا ہے؟ رایوں میں اختلاف ہوتو ہو، لیکن ان اوصاف کا انکار دشمن سے بھی ممکن نہیں ہے، ایسی عظیم شخصیت کا دینی تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ ہوجانا بلاشبہ فضلِ خداوندی، قوم کی خوش قسمتی اور ملک وملت کے لئے نیک فال ہے، تعلیم وتربیت ہی قوم کے دل ودماغ اور نشوونما کا واحد اور موثر ذریعہ ہے، یہ اگر صحیح نہج پرآ جائے اور قوم کے بڑے اس طرف متوجہ ہوجائیں تو یہ ایک عظیم تعمیری اور پائدار خدمت ہوگی جس کے اثرات نسلوں تک چلیں گے اور یادگار زمانہ ثابت ہوں گے۔ اگر جناب والا ادھر پوری توجہ مبذول فرمادیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ نئی نسل کے لئے ایک ایسی پختہ تاسیس ہوگی جس پر بڑی سے بڑی تعمیر کھڑی کی جاسکتی ہے۔

دل کا جذبہ یہ ہے کہ کشمیر جیسے اپنے اسلاف کے دور میں علم وفضل اور تربیت واخلاق کے اعلیٰ نمونے پیش کر چکا ہے جس سے علماء ومشائخ کے آثار اب تک بھی کسی نہ کسی صورت سے اس خطہ میں نمایاں ہیں، ایسے ہی اگر آج وہ اپنی تاریخ پھر سے دہرادے اور علمی افادات کا ایک وسیع حلقہ وہاں بن جائے گا تو پرانی یادیں پھر تازہ ہوسکتی ہیں، بشرطیکہ اکابر قوم اپنی پوری توجہات ادھر مبذول فرمادیں ظاہر ہے کہ یہ کام

مدارس ہی کے راستے سے انجام پا سکتا ہے، اور مدرسہ مدینۃ العلوم اس کے لئے ہر حیثیت سے موزوں اور مستحق ہے، اور وہ اپنے پاکیزہ نام کی طرح یہ کام بھی پاکیزگی کے ساتھ انجام دے لے گا، اور وہی کام کرے گا جو مدینہ منورہ کے اولین مدرسہ صفۂ صحابہ نے انجام دیا اور اجلۂ صحابہ اس کے ذریعہ علوم نبوت سے فیضیات ہو کر عالم کے لئے مرشد و ہادی بنے۔ اسم کا اثر بہر حال مسمّٰی میں طبعی طور پر آتا ہے۔

''لِكُلِّ مِنْ اِسْمِهٖ نَصِيْبٌ'' کیا عجب یہ ہے کہ یہ کشمیر کا مدینہ اصلی مدینہ کی ایک شاخ بن کر اصل ہی کے برگ و بار کا حامل بن جائے اور ملک اس سے فیضیاب ہو۔

اس موقعہ پر جرأت ہوتی ہے کہ میں یہاں کے تجربات کی روشنی میں تعلیم و نظم کے سلسلہ میں چند بنیادی باتیں عرض کردوں، تعلیمی سلسلہ میں بنیادی چیزیں دو ہی ہیں۔ اساتذہ اور نصاب تعلیم اور نصاب سے بھی زیادہ اساتذہ جن سے تربیت اور شاگردوں کے انصباغ اور رنگ پکڑنے کا تعلق ہے۔

اس لئے سب سے پہلی چیز اساتذہ کا انتخاب ہے جو علوم کے ساتھ اخلاقی قدروں کے حامل ہوں اور مثل علماء روزگار خود بیں اور خود ستانہ ہوں لیکن پھر بھی اساتذہ ایک قابلیت اور ایک درجہ کے نہیں ہوتے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ مدینۃ العلوم میں اساتذہ کے تین طبقات قائم فرمادئے جائیں ''ابتدائی'' وسطائی'' اور انتہائی، یا ادنیٰ، اوسط، اور علیا اسی تناسب سے کتابوں کے طبقے بھی تین ہی قائم کئے جائیں۔

جیسے دارالعلوم دیوبند میں طبقۂ ابتدائی کی کتابیں ''میزان الصرف'' سے ''شرح جامی'' تک ہیں۔ وسطائی کتابیں ''شرح جامی'' کے بعد سے ''ہدایہ و مشکوٰۃ'' تک ہیں۔ اور انتہائی کتابیں ''مشکوٰۃ'' کے بعد سے دورۂ حدیث و تفسیر تک ہیں اور اس طبقاتی ترتیب سے طبقہ وار اساتذہ کے سپرد کی جاتی ہیں۔ اس لئے حسبِ قابلیت اساتذہ کا تقرر بھی طبقہ وار ہی ہونا چاہئے، اور حسب مناسبت طبقاتی اسباق ان پر تقسیم کردیئے جائیں۔ پھر یہی تناسب ان کی تنخواہوں میں بھی ملحوظ رکھا جائے۔ یہاں دارالعلوم میں طبقۂ ادنیٰ کی یافت ڈیڑھ سو تک ہے، طبقۂ وسطیٰ کی یافت ڈھائی سو سے کچھ اوپر تک ہے۔ اور طبقۂ علیا کی تین سو سے چل کر چار سو کے لگ بھگ ہے۔

یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ گرانی بے حد اور بے عد ہے جو گھٹنے کے بجائے روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک معلمین کے مشاہرات فی الجملہ فراغ بالی کی حد تک نہ ہوں اچھے معلّم بھی ملنے دشوار ہیں۔ اور مل بھی جائیں تو طمانینت قلب و بشاشت سے کام انجام پانا دشوار ہے۔ میں نے ساؤتھ افریقہ میں دیکھا کہ وہاں کی حکومت نے معلموں، پروفیسروں کے گریڈ گورنروں اور وزراء کے طبقوں کے مساوی اور خاص شخصیتوں میں ان سے بھی بڑھا کر رکھے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ معلمین ہی کا طبقہ قوم

کے دل ودماغ کے نشو ونما اور سدھارنے کا کفیل ہے اگر وہ تنگی معاش کی وجہ سے ڈانواڈول رہے گا تو قومی تربیت اور قوم کے بچوں کا ذہنی نشو ونما کبھی برجائے خود استوار نہیں ہوگا جس سے پوری قوم کا مستقبل تاریک ہوجائے گا، جو بالآخر ملت کی نظری اور ذہنی ویرانی کا سبب ہوگا۔ بات دل لگتی ہے اور اصول صحیح محسوس ہوتا ہے، ہمارے ملک اور ماحول میں گو مسلمانوں کی اقتصادی حالت فی زمانہ انحطاط کا شکار اور پستی کی زد میں ہے تاہم کام پھر بھی چل رہا ہے گو ہم کسی قوم کی نقل نہ اتار سکیں اور نقلیں اتارنا لغویت سے بھی خالی نہیں لیکن پھر بھی اگر تعلیم وتربیت کے کام کو دوسرے کاموں پر اہمیت اور فوقیت دی جائے خواہ دوسرے سلسلوں میں کمی بھی ہوجائے تو اصولاً نہ صرف یہ کہ صحیح ہی ہوگا بلکہ حقیقی معنی میں ملت کی ایک اساسی خدمت ہوگی جس سے پورا ملک نیک اثرات قبول کئے بغیر نہیں رہے گا، بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ مالیہ کا جو سرمایہ دوسرے کاموں پر صرف ہورہا ہے اس کا زیادہ حصہ تعلیم وتربیت پر صرف ہو، تاکہ قومی افراد صحیح معنی میں اپنی قومیت کے سچے جذبات لے کر ابھریں تو دوسرے قومی کام وہ خواہ مخواہ بھی بہتر طریقہ سے انجام دینے کے قابل بن جائیں گے۔ آج کے ناقص اور ناتمام کورسوں، ناقص تعلیم وتربیت اور اس سے تیار شدہ ناقص شخصیتوں سے پورا انتظام ناقص اور مضرت رساں بنا ہوا ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں اس کے گندے اثرات نمایاں ہورہے ہیں جس سے نظم کی گاڑی چل نہیں رہی ہے بلکہ گھسیٹی جارہی ہے، اگر اس نقصان تعلیم وتربیت اور ناتمامئ کورس کے رخنہ کو بند کردیا جائے تو دوسرے رخنے خود بخود بند ہوجائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قابل اساتذہ فراہم ہوجانے پر تعلیمی نظام یا دروبست ان کے سپرد کردیا جائے یا ان کی رایوں کو اس بارے میں اہمیت دی جائے۔ مالیات کے نظم کا تعلق ارباب انتظام سے رہے۔ یہ تقسیم عمل ہی نظام کار کو ہموار اور استوار رکھ سکتی ہے، خلط ملط یا بالعکس کردینے سے تعلیم درست رہ سکے گی نہ تربیت ہو پائے گی اور نہ استاد وشاگرد کا صحیح رابطہ قائم ہوسکے گا بلکہ پورا نظام غیر متوازن ہوجائے گا۔

جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ درس نظامی سے بہتر دوسرا نہیں ہے، سو برس سے اس کا تجربہ کیا جارہا ہے اور اسی سے اس سو سال میں بڑے بڑے معیاری اور مثالی علماء وفضلاء تیار ہوکر قوم کے لئے فائدہ رساں ثابت ہوچکے ہیں۔ کسی ملک اور خطہ کی خاص ضروریات یا وقت کے تقاضوں سے اگر جزوی ترمیم ہو تو مضائقہ نہیں لیکن نوعی طور پر اس کی تبدیلی مفید نہ ہوگی، یہ جزوی ترمیمات مختلف مدارس کے مختلف نصابوں کے سامنے رکھ کر بآسانی کی جاسکتی ہیں پھر بھی نصاب کی عمدگی کافی نہیں ہے، جب تک کہ مربی اساتذہ صحیح نہ ہوں، اس لئے نصاب سے زیادہ انتخاب استاد پر ہمت صرف کئے جانے کی ضرورت ہے، نصاب اور استاد صحیح ہوجانے پر بقیہ نظامہائے عمل خود بخود اپنی اپنی جگہ درست ہوسکتے ہیں میں خود بھی اس کی

فکر رکھوں گا کہ وہاں کے لئے کچھ منجھے ہوئے پختہ کار اساتذہ فراہم ہوں۔

یہ چند باتیں جناب والا کے اخلاق کریمانہ اور اپنے ساتھ مخلصانہ ربط کے پیش نظر جرأت کر کے عرض کر دی گئی ہیں میں اس جسارت کی معافی چاہتا ہوں، خدا کرے کہ مدینۃ العلوم جناب والا کی سرپرستی میں کشمیر کی ایک مرکزی اور مثالی درسگاہ ثابت ہو اور اس کے نورانی اثرات ملک کے ہر شعبے میں نمایاں ہوں۔

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸۹/۱۱/۶

مدارسِ دینیہ کے خلاف حالیہ پروپیگنڈہ

آج پروپیگنڈا ایک مستقل فن اور ہنر بن چکا ہے، جرمنی کا ایک سیاسی فلسفی گزرا ہے، اس نے یہ فلسفہ پیش کیا تھا کہ جھوٹ کو اتنی شدت سے پھیلاؤ کہ دنیا اس کو سچ سمجھنے لگے، آج دنیا میں سارے پروپیگنڈے کا ہنر اس فلسفے کے گرد گھوم رہا ہے، جس پر جو چاہو بہتان لگا کر اس کے بارے میں پروپیگنڈا شروع کر دو۔ آج دنیا میں یہ پروپیگنڈا شروع ہو گیا ہے کہ یہ دینی مدارس دہشت گرد ہیں، اور ان میں طلباء کو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، یہاں سے دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں، آج اس پروپیگنڈے کو تین سال ہو چکے ہیں، اور عوام نہیں، بلکہ حکومت کے ذمہ دار لوگ برملا یہ کہتے ہیں کہ مدارس کے اندر دہشت گردی ہو رہی ہے۔ مدارس کے حضرات نے ان سے کئی مرتبہ کہا کہ خدا کے لئے مدارس کے اندر آ کر دیکھو، تمہارے پاس ہتھیاروں کو پکڑنے کے حساس ترین آلات موجود ہیں، اور دہشت گردی کے سراغ رسانی کے حساس ترین آلات موجود ہیں، وہ سب استعمال کر کے دیکھو کہ کسی مدرسے میں دہشت گردی کا سراغ ملتا ہے؟ اگر کسی مدرسے میں سراغ ملے تو ہماری طرف سے کھلی چھوٹ ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں، اور ہم بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف کاروائی کرنے میں تعاون کریں گے۔ مگر یہ رٹ لگی ہوئی ہے کہ یہ مدارس دہشت گرد ہیں، اور پروپیگنڈے کی بنیاد پر سارے دینی مدارس کو جہاں اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کی تعلیم ہو رہی ہے، ان کو دہشت گرد قرار دیدینا، اور مغرب کے پروپیگنڈے کو آگے بڑھانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی دیانت ہے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۶، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

خدا کا ہندوستانی تصور

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ہندوستان کے تصور الوہیت کی تاریخ متضاد تصوروں کا حیرت انگیز منظر ہے۔ایک طرف اس کا توحیدی فلسفہ ہے، دوسری طرف اس کا عملی مذہب ہے۔توحیدی فلسفہ نے استغراق فکر وعمل کے نہایت گہرے اور دقیق مرحلے طے کئے اور معاملہ کو فکری بلندیوں کی ایک ایسی اونچی سطح تک پہنچادیا جس کی کوئی دوسری مثال ہمیں قدیم قوموں کے مذہبی تصورات میں نہیں ملتی۔اور ٹھیک اس کے برعکس عملی اشراک اور تعددِ الاہ کی بے روک راہ اختیار کی اور اصنامی تصوروں کو اتنی دور تک پھیلنے دیا کہ ہر پتھر معبود ہوگیا، ہر درخت خدائی کرنے لگا اور ہر چوکھٹ سجدہ گاہ بن گئی۔وہ بہ یک وقت زیادہ سے زیادہ بلندی کی طرف بھی اڑا اور زیادہ سے زیادہ پستی میں بھی گرا۔اس کے خواص نے اپنے لئے توحید کی جگہ پسند کی اور عوام کیلئے اشراک اور اصنام پرستی کی راہ مناسب سمجھی!

اپنشد (Upanisad) کا توحیدی اور وحدۃ الوجودی تصور

رگ وید کے زمزموں میں ہمیں ایک طرف مظاہر قدرت کی پرستش کا ابتدائی تصور بہ تدریج پھیلتا اور متجسم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔دوسری طرف ایک بالاتر اور خالق کل ہستی کا توحیدی تصور بھی آہستہ آہستہ ابھرتا نظر آتا ہے۔خصوصاً دسویں حصے کے زمزموں میں تو اس کی نمود صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔یہ توحیدی تصور کسی بہت پرانے گزشتہ عہد کے بنیادی تصور کا بقیہ تھا یا مظاہر قدرت کی کثرت آرائیوں کا تصور اب خود بخود کثرت سے وحدت کی طرف ارتقائی قدم اٹھانے لگا تھا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن بہرحال ایک ایسے قدیم عہد میں بھی جبکہ رگ وید کے تصوروں نے نظم وسخن کا جامہ پہننا شروع کیا تھا، توحیدی تصور کی جھلک صاف صاف دیکھی جاسکتی ہے۔خداؤں کا وہ ہجوم جس کی تعداد تین سو تینتیس یا اسی طرح کی ثلاثی کثرت تک پہنچ گئی تھی۔بالآخر تین دائروں میں سمٹنے لگا، یعنی زمین، فضا اور آسمان میں اور پھر اس نے ایک

ربُّ الارباب تصور (Henotheism) کی نوعیت پیدا کرلی۔ پھر یہ رب الاربابی تصور اورزیادہ سمٹنے لگتا ہے اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہ ہستی کبھی ''ورون'' میں نظر آتی ہے، کبھی ''اِندر'' میں اور کبھی ''اَگنی'' میں، لیکن بالآخر ایک خالق کل ہستی کا تصور پیدا ہوجاتا ہے جو ''پرجاپتی'' (پروردگارِ عالم) اور ''وِشوا کرمن'' (خالق کل) کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے اور جو تمام کائنات کی اصل وحقیقت ہے۔ ''وہ ایک ہے مگر علم والے اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں: اگنی، یم، ماتری شوان'' (46-164)۔ ''وہ ایک نہ تو آسمان ہے نہ زمین ہے۔ نہ سورج کی روشنی ہے نہ ہوا کا طوفان ہے۔ وہ کائنات کی روح ہے۔ تمام قوتوں کا سرچشمہ، ہمیشگی، لازوالی، وہ کیا ہے؟ وہ شاید رٹ ہے جو ہر کے روپ میں۔ ادیتی ہے روحانیت کے بھیس میں۔ وہ بغیر سانس کے سانس لینے والی ہستی!'' (حصہ دہم: 2-121)۔ ''ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ ہم اسے پوری طرح بتا نہیں سکتے'' (ایضاً: 121)۔ وہ ''ایکم است'' ہے؛ یعنی حقیقت یگانہ۔ الحق یہی وحدت ہے جو کائنات کی تمام کثرت کے اندر دیکھی جاسکتی ہے''۔

یہی مبادیات ہیں جنھوں نے اپنشد میں توحید وجودی (Pantheism) کے تصور کی نوعیت پیدا کرلی اور پھر ویدانت کے مابعد الطبیعات (Metaphysics) نے انہی بنیادوں پر استغراقِ فکر ونظر کی بڑی بڑی عمارتیں تیار کردیں۔

وحدۃ الوجودی اعتقاد ذاتِ مطلق کے کشفی مشاہدات پر مبنی تھا۔ نظری عقائد کو اس میں دخل نہ تھا۔ اس لئے اصلاً یہاں صفات آرائیوں کی گنجائش ہی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو صرف سلبی صفات (Negative Attributes) ہی ابھر سکتی تھیں۔ ایجابی (Positive) صفات کی صورت آرائی نہیں کی جاسکتی تھی، یعنی یہ تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایسا ہے اور ایسا ہے، کیونکہ ایجابی صفات کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ ہمارے ذہن وفکر کا بنایا ہوا نقشہ ہوگا اور ہمارا ذہن وفکر امکان واضافت کی چار دیواری میں اس طرح مقید ہے کہ مطلق اور غیر محدود حقیقت کا تصور کرہی نہیں سکتا۔ وہ جب تصور کرے گا تو ناگزیر ہے کہ مطلق کو متشخص بنا کر سامنے لائے اور جب تشخص آیا تو اطلاق باقی نہیں رہا۔ بابا فغانی نے دو مصرعوں کے اندر معاملہ کی پوری تصویر کھینچ دی تھی:

مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست
اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

یہی وجہ ہے کہ اپنشد نے پہلے ذاتِ مطلق (برہمان) کو ذاتِ متشخص (ایشور) کے مرتبہ میں اتارا اور جب اطلاق نے تشخص کا نقاب چہرہ پر ڈال لیا تو پھر اس نقاب پوش چہرہ کی صنفوں کی نقش آرائیاں کی گئیں

اور اس طرح وحدۃ الوجودی عقیدہ نے ذات مشخص ومتصف (سا گون) کے تصور کا مقام بھی مہیا کر دیا۔

جب ان صفات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو بلا شبہ ایک نہایت بلند تصور سامنے آجاتا ہے جس میں سلبی اور ایجابی، دونوں طرح کی صفتیں اپنی پوری نموداریاں رکھتی ہیں۔ اس کی ذات یگانہ ہے۔ اس ایک کیلئے دوسرا نہیں۔ وہ بے ہمتا ہے۔ بے مثال ہے۔ ظرف وزمان اور مکان کے قیود سے بالاتر، ازلی وابدی، ناممکن الادراک، واجب الوجود وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی حفاظت کرنے والا اور وہی فنا کر دینے والا۔ وہ علۃ العلل اور علت مطلقہ، تمام موجودات اسی سے بنیں، اسی سے قائم رہتی ہیں اور پھر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ وہ نور ہے، کمال ہے، حسن ہے۔ سرتاسر پاکی ہے۔ سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ رحم ومحبت والا، ساری عبادتوں اور عاشقیوں کا مقصود حقیقی!

لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ حقیقت بھی ہمیں صاف صاف دکھائی دیتی ہے کہ توحیدی تصور کی بلندی بھی اشراک اور تعدد کی آمیزش سے خالی نہیں رہی اور توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات کا بے میل عقیدہ جلوہ گر نہ ہوسکا۔ زمانہ حال کے ایک قابل ہندو مصنف کے لفظوں میں دراصل اشراکی اور تعددی تصور (Polytheistic) ہندستانی دل ودماغ میں اس درجہ جڑ پکڑ چکا تھا کہ اب اسے یک قلم اکھاڑ کے پھینک دینا آسان نہ تھا۔ اس لئے ایک یگانہ ہستی کی جلوہ طرازی کے بعد بھی دوسرے خدا نابود نہیں ہو گئے، البتہ اس یگانہ ہستی کا قبضہ واقتدار ان سب پر چھا گیا اور سب اس کی ماتحتی میں آگئے۔

اب اس طرح کی تصریحات ہمیں ملنے لگتی ہیں کہ بغیر اس بالاتر ہستی (برہماں) کے ''اگنی'' دیبی کچھ نہیں کرسکتی۔ ''یہ اسی کا (برہماں کا) خوف ہے جو تمام دیوتاؤں سے ان کے فرائض منصبی انجام دلاتا ہے''۔ (تیتر اپنشد) راجہ اشواپتی نے جب پانچ گھر والوں سے پوچھا: ''تم اپنے دھیان میں کس کی پرستش کرتے ہو؟'' تو ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک دیوتا کا نام لیا۔ اس پر اشواپتی نے کہا ''تم میں سے ہر ایک حقیقت کے صرف ایک ہی حصہ کی پرستش کی، حالانکہ وہ سب کے ملنے سے شکل پذیر ہوتی۔ ''اندر'' اس کا سر ہے۔ ''سوریہ'' (سورج) اس کی آنکھیں ہیں۔ ''وایو'' سانس ہے''۔ اکاش (ایتھر) جسم ہے''۔ ''دھرتی'' (زمین) اس کا پانوں ہے'' (ایضاً)۔

لیکن پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جب حقیقت کی قیومیت اور احاطہ پر زور دیا جاتا ہے، تو تمام موجودات کے ساتھ دیوتاؤں کی ہستی بھی غائب ہو جاتی ہے، کیونکہ تمام موجودات اسی پر موقوف ہیں۔ وہ کسی پر موقوف نہیں ''جس طرح رتھ کے پہیّے کی تمام شاخیں ایک ہی دائرہ کے اندر اپنا وجود رکھتی ہیں، اسی طرح تمام چیزیں، تمام دیوتا، تمام دنیائیں اور تمام آلات اسی ایک وجود کے اندر ہیں'' (برہاورینا ک اپنشد: باب

2-5)۔ یہاں وہ درخت موجود ہے جس کی جڑ اوپر کی طرف چلی گئی ہے اور شاخیں نیچے کی طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ برہماں ہے لافانی۔ تمام کائنات اس میں ہے۔ کوئی اس سے باہر نہیں'' (تتیترا:10-1)۔

یہاں ہم مصنف موصوف کے الفاظ مستعار لیتے ہیں۔ ''یہ دراصل ایک سمجھوتہ تھا جو چند خاص دماغوں کے فلسفیانہ تصور نے انسانی بھیڑ کے وہم پرست ولولوں کے ساتھ کرلیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواص اور عوام کی فکری موافقت کی ایک آب وہوا پیدا ہوگئی اور برابر قائم رہی''۔

آگے چل کر ویدانت کے فلسفہ نے بڑی وسعتیں اور گہرائیاں پیدا کیں لیکن خواص کے توحیدی تصور میں عوام کے اشراکی تصور سے مفاہمت کا جو میلان پیدا ہوگیا تھا وہ متزلزل نہ ہوسکا؛ بلکہ اور زیادہ مضبوط اور وسیع ہوتا گیا۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کرلی گئی کہ سالک جب عرفانِ حقیقت کی منزلیں طے کرلیتا ہے تو پھر ماسوا کی تمام ہستیاں معدوم ہوجاتی ہیں اور ماسوا میں دیوتاؤں کی ہستیاں بھی داخل ہیں۔ گویا دیوتاؤں کی ہستیاں مظاہر وجود کی ابتدائی تعینات ہوئیں، لیکن ساتھ یہ بنیاد بھی برابر قائم رکھی گئی کہ جب تک اس آخری مقامِ عرفان تک رسائی حاصل نہ ہوجائے، دیوتاؤں کی پرستش کے بغیر چارہ نہیں اور ان کی پرستش کا جو نظام قائم ہوگیا ہے اسے چھیڑنا نہیں چاہیئے، اس طرح گویا ایک طرح کے توحیدی-اشراکی تصور (Monotheistic Polytheism) کا مخلوط مزاج پیدا ہوگیا جو بیک وقت فکر ونظر کا توحیدی تقاضہ بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی اصنامی عقائد کا نظامِ عمل بھی سنبھالے رکھنا چاہتا تھا۔ ویدانت کے بعض مذہبوں میں تو یہ مخلوط نوعیت کے بنیادی تصوروں تک سرایت کرگئی۔ مثلاً نیمبارک اور اس کا شاگرد سری نواس برہم سوتر کی شرح کرتے ہوئے ہمیں بتلاتے ہیں کہ ''اگرچہ برہما یا کرشن کی طرح کوئی نہیں مگر اس سے ظہور میں آئی ہوئی دوسری قوتیں بھی ہیں جو اس کے ساتھ اپنی نمود رکھتی ہیں اور اسی کی طرح کارفرمائی میں شریک ہیں، چنانچہ کرشن کے بائیں طرف رادھا کی بھی پرستش کریں۔''

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ فطرتِ کائنات کے جن قوائے مدبرہ کو سامی تصور نے ''ملاک'' اور ''ملائکہ'' سے تعبیر کیا تھا، اسی کو آریائی تصور نے ''دیو'' اور ''یزتا'' سے تعبیر کیا۔ یونانیوں کا ''تھیوس'' (Theos) رومیوں کا ڈے یوس (Deus)، پارسیوں کا ''یزتا'' (یزداں) سب کے اندر وہی ایک بنیادی مادہ اور وہی ایک بنیادی تصور کام کرتا رہا۔ سنسکرت میں ''دیو'' ایک لچکدار لفظ ہے جو متعدد معنوں میں مستعمل ہوا ہے، لیکن جب مافوق الفطرت ہستیوں کیلئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایک ایسی غیر مادی اور روحانی ہستی کے ہوجاتے ہیں جو اپنے وجود میں روشن اور درخشاں ہو۔ سامی ادیان نے ان روحانی ہستیوں کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں دیکھی کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی کارکن ہستیاں ہیں لیکن آریائی تصور

نے ان میں تدبیر وتصرف کی بالاستقلال طاقتیں دیکھیں اور جب توحیدی تصور کے قیام سے وہ استقلال باقی نہیں رہا تو توسّل اور تزلّف کا درمیانی مقام انھوں نے پیدا کر لیا؛ یعنی اگرچہ وہ خود خدا نہیں ہیں لیکن خدا تک پہنچنے کیلئے ان کی پرستش ضروری ہوئی۔ایک پرستار کی پرستش اگرچہ ہوگی معبودِ حقیقی کیلئے مگر ہوگی انہی کے آستانوں پر۔ہم براہ راست خدا کے آستانے تک پہنچ نہیں سکتے۔ہمیں پہلے دیوتاؤں کے آستانوں کا وسیلہ پکڑنا چاہئے۔دراصل یہی توسل وتزلف کا عقیدہ ہے جس نے ہر جگہ توحیدی اعتقاد وعمل کی تکمیل میں خلل ڈالا،ورنہ ایک خدا کی یگانگی اور بالاتری سے تو کسی کو بھی انکار نہ تھا۔عرب جاہلیہ کے بت پرستوں کا بھی یہی عقیدہ قرآن مجید نے نقل کیا ہے کہ **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ**۔

بہر حال شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کا یہی وہ عنصری مادہ تھا جس نے ہندستان کے عملی مذہب کو سرتا سر اشراک اور اصنام پرستی کے عقائد سے معمور کر دیا اور بالآخر یہ صورت حال اس درجہ گہری اور عام ہوگئی کہ جب تک ایک سراغ رساں جستجو اور تفحص کی دور دراز مسافتیں طے نہ کر لے،ہندو عقیدہ کے توحیدی تصور کا کوئی نشان نہیں پا سکتا۔توحیدی تصور نے یہاں ایک ایسے راز کی نوعیت پیدا کر لی جس تک صرف خاص خاص عارفوں ہی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ہم اس کا سراغ پہاڑوں کے غاروں میں پا سکتے ہیں، لیکن کوچہ وبازار میں نہیں پا سکتے۔گیارہویں صدی مسیحی میں جب ابوریحان بیرونی ہندستان کے علوم و عقائد کے سراغ میں نکلا تھا تو یہ متضاد صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔سولہویں صدی میں ویسی ہی حیرانی ابوالفضل کو پیش آئی اور پھر اٹھارہویں صدی میں سر ولیم جونس کو۔

بہترین معذرت جو اس صورت حال کی جا سکتی ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ گیتا کے شہرۂ آفاق ترانوں میں ہمیں ملتا ہے اور جس نے البیرونی کے فلسفیانہ دماغ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا،یعنی یہاں پہلے دن سے عقائد وعمل کی مختلف راہیں مصلحتاً کھلی رکھی گئیں تا کہ خواص اور عوام دونوں کی فہم واستعداد کی رعایت ملحوظ رہے۔توحیدی تصور خواص کیلئے تھا،کیونکہ وہی اس بلند مقام کے متحمل ہو سکتے تھے۔اصنامی تصور عوام کیلئے تھا کیونکہ ان کی طفلانہ عقول کیلئے یہی راہ موزوں تھی اور پھر چونکہ خواص بھی جمعیت ومعاشرت کے عام ضبط و نظم سے باہر نہیں رہ سکتے۔اس لئے عملی زندگی میں انھیں بھی اصنام پرستی کے تقاضے پورے ہی کرنے پڑتے تھے اور اس طرح ہندو زندگی کی بیرونی وضع وقطع بلا استثنا اشراک اور اصنام پرستی ہی کی رہتی آئی۔

البیرونی نے حکماء یونان کے اقوال نقل کر کے دکھایا ہے کہ اس بارے میں ہندستان اور یونان دونوں کا حال ایک ہی طرح کا رہا۔پھر گیتا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ مجھ تک (یعنی خدا تک) اس طرح پہنچنا چاہتے ہیں کہ میرے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں،لیکن میں ان کی مرادیں بھی پوری کر دیتا

ہوں، کیونکہ میں ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہوں۔

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر زمانہ حال کے ایک ہندو مصنف کی رائے پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ گوتم بدھ کے ظہور سے پہلے ہندو مذہب کے تصورِ الوہیت نے جو عام شکل وصورت پیدا کرلی تھی، اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصنف لکھتا ہے:

''گوتم بدھ کے عہد میں جو مذہب ملک پر چھایا ہوا تھا اس کے نمایاں خط وخال یہ تھے کہ لین دین کا ایک سودا تھا جو خدا اور انسانوں کے درمیان ٹھہر گیا تھا جبکہ ایک طرف اپنشد کا برہماں تھا جو ذات الوہیت کا ایک اعلیٰ اور شائستہ تصور پیش کرتا تھا تو دوسری طرف اَنگنت خداؤں کا ہجوم تھا جن کیلئے کوئی حد بندی نہیں ٹھہرائی جاسکتی تھی۔ آسمان کے سیارے، مادہ کے عناصر، زمین کے درخت، جنگل کے حیوان، پہاڑوں کی چٹانیں، دریاؤں کی جدولیں، غرضیکہ موجوداتِ خلقت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو خدائی حکومت میں شریک نہ کرلی گئی ہو، گویا ایک بے لگام اور خود رَو تخیل کو پروانہ مل گیا تھا کہ دنیا کی جتنی چیزوں کو خدائی مسند پر بٹھا سکتا ہے، بے روک ٹوک بٹھاتا رہے، پھر جیسے خدا آن کی یہ بے شمار بھیڑیں بھی اس کے ذوق خدا سازی کیلئے کافی نہ ہوں ہوں۔ طرح طرح کے عفریتوں اور عجیب الخلقت جسموں کی متخیّلہ صورتوں کا بھی ان پر اضافہ ہوتا رہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ''اپنشدوں'' نے فکر ونظر کی دنیا میں ان خداؤں کی سلطانی برہم کردی تھی، لیکن عمل کی زندگی میں انھیں نہیں چھیڑا گیا، وہ بدستور اپنی خدائی مسندوں پر جمے رہے''۔

۞۞۞

ملائکہ پر آدم علیہ السلام کی برتری

از افادات: حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

آیات

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (البقرۃ: 31تا33)

ترجمہ: اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے، پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے، پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو، بولے پاک ہے تو، ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھلایا، بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا، حکمت والا۔ فرمایا اے آدم! بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام۔ پھر جب بتادیے اس نے ان کے نام، فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو؟

ربط آیت

ملائکہ اس خیال میں تھے کہ ہم خلافت و نیابت کے لیے زیادہ موزوں ہیں، اس لیے انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تھی کہ ہماری موجودگی میں ایسی مخلوق بنانے میں کیا حکمت ہے جو شر و فساد کا عنصر لیے ہوئے ہے۔ اس کا ایک جواب تو گذشتہ آیت میں دیا گیا کہ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ یعنی خلافت الٰہیہ کا فریضہ کون انجام دے سکتا ہے اس کی حقیقت ہم ہی جانتے ہیں، اب اس آیت سے دوسرا حکیمانہ جواب دیا جارہا ہے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور ملائکہ پر آپ کی برتری کے اظہار کے لیے یہ طریقہ

اختیار کیا کہ تمام موجودات کے نام اوصاف اور خواص کا علم آپ کو سکھا دیا۔ پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کر کے ان سے پوچھا گیا کہ اگر تم استحقاق خلافت کے دعوے میں سچے ہو تو ان موجودات کے نام و اوصاف ہی بتا دو؟ کیوں کہ جب تک ان کا نام، خاصیت اور استعمال کا طریقہ کار معلوم نہ ہو تو خلافت کی ذمہ داریاں ادا نہیں کی جا سکتیں۔ اس پر ملائکہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝ (پاک ہیں آپ، ہم کو علم نہیں۔ مگر وہی جو آپ نے عطا فرمایا، بے شک آپ بڑے علم و حکمت والے ہیں۔) یعنی ملائکہ نے اپنی درماندگی اور عاجزی کا اظہار و اعتراف کر لیا، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے آدم! ملائکہ کو ان چیزوں کا نام بتا دو، آدم علیہ السلام نے جب ان کا نام بتا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں زمین آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے بھی جانتا ہوں۔

بعض شبہات اور ان کے جوابات

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر آدم علیہ السلام کی طرح ملائکہ کو بھی یہ علم سکھا دیا جاتا تو وہ بھی جواب دے دیتے، اس میں آدم علیہ السلام کی کیا فضیلت؟

حکیم الأمت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں اسماء کی تعلیم ملائکہ کی موجودگی ہی میں دی گئی، چوں کہ ملائکہ میں ان خاص علوم کی استعداد نہ تھی، اس لیے سمجھنے سے قاصر رہے۔ یہ ایسا ہے جیسے اقلیدس کا استاذ کسی دعوی پر دو طالب علموں کے سامنے تقریر کرے تو وہی طالب علم اسے سمجھے گا جسے اقلیدس سے مناسبت ہوگی دوسرا نہیں۔

اب اگر کسی کو اشکال ہو فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں علم اسماء کے سمجھنے کی استعداد تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اِنۢبا محض کسی خبر کو نقل کر دینے کو کہتے ہیں، یہ تعلیم کے درجے میں نہیں آتی اور نہ ہی اس سے علم اسماء کے حقائق کا حاصل ہونا لازم آتا ہے۔

ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ جب ملائکہ آدم علیہ السلام کی خبر بھی نہیں سمجھے تو فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو یہ علم حاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر کی قوت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کچھ کہہ رہا ہے، اگر چہ سمجھ میں نہ آئے جیسے اقلیدس کے مبادی سے بے خبر طالب علم استاذ کی تقریر تو نہیں سمجھ سکتا لیکن اتنا سمجھتا ہے کہ استاذ کسی موضوع پر ماہرانہ گفتگو کر رہا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس خاص علم کی استعداد ملائکہ کو کیوں نہیں دی گئی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکمت الٰہی کا در ہے، جس پر کسی کو دستک کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان اور فرشتوں میں جو تفاوت رکھا ہے اسے برقرار رکھ کر انسان کو انسان اور فرشتوں کو فرشتہ ہی رہنے دیا جائے۔ اگر یہ استعداد فرشتوں میں پیدا کردی جاتی تو فرشتے فرشتے نہ رہتے۔ جیسے حرکت حیوان کا خاصہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے یہ صفت جماد میں پیدا کریں تو وہ جماد نہ رہے، بلکہ حیوان بن جائے۔ (مفہوم از بیان القران، اشرف التفاسیر، البقرہ، تحت آیہ رقم:33)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٘ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۳۴

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے، مگر شیطان، اس نے نہ مانا اور وہ تھا کافروں میں کا۔

ربط: گزشتہ آیت میں ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و برتری کا مشاہدہ اور اپنی عاجزی کا اعتراف کیا تھا، اب اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا دیا جارہا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تاکہ ان کی عملی تعظیم بھی سامنے آجائے۔

تفسیر

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کریں تو تمام فرشتے حکم پاتے ہی سر بسجود ہو گئے۔ لیکن ابلیس نے تکبر اور غرور میں آکر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کافر ہو گیا۔

واضح رہے کہ ابلیس کا تعلق جنات سے ہے جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکھف:50) (تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے) اور سجدہ کرنے کا حکم اسے بھی دیا گیا تھا، چناں چہ قرآن کریم میں ایک مقام پر صراحتا مذکور ہے جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ (الاعراف:12) (تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا؟) لہٰذا کسی کو یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ سجدہ کرنے کا حکم تو فرشتوں کو دیا گیا تھا، پھر ابلیس کے انکار کا کیا مطلب؟

باقی رہا یہ سوال کہ سجدہ کرنے کا حکم صرف ابلیس (جن) کو تھا یا تمام جنات کو؟

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ حکم تمام جنات کو تھا۔ (تفسیر عزیزی فارسی، البقرۃ، تحت آیۃ رقم:34) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔ (بیان القرآن البقرہ تحت آیۃ رقم:34)

خوارج کے موقف کی تردید

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ابلیس کو اس لیے کافر قرار دیا گیا کہ اس نے حکم الٰہی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ محض ترک عمل (سجدہ) کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا، اگرچہ گناہ گار ضرور ہوتا ہے۔ اس تصریح سے خوارج و معتزلہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے، جو ابلیس کو محض ترک سجدہ کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں۔
(تفسیر مدارک البقرہ تحت آیۃ رقم:34)

مودودی صاحب کی غلط فہمی

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے علم ازلی کی بدولت ابلیس کے کافرانہ انجام سے باخبر تھے۔

لیکن وہ کافر کب ہوا تھا؟ تمام مفسرین اور قرآنی آیت کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ سجود ملائکہ کے وقت سجدہ سے انکار کرنے کے باعث کافر قرار پایا جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے ﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکھف:50) (جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو۔ تو سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس، تھا جن کی قسم سے، سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔)

یہاں فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ سے واضح ہو رہا ہے اس نے حکم الٰہی کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے، لیکن مودودی صاحب کا دعوی ہے کہ ابلیس سجود ملائکہ کا معاملہ پیش آنے سے پہلے کافر تھا چناں چہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جنوں کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش اور نافرمان تھی اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھا"۔ (تفہیم القرآن: البقرۃ، تحت آیۃ رقم:34)

مودودی صاحب کو یہ غلط فہمی ایک مسلمہ محذوف عبارت نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ کیوں کہ جن مفسرین نے بھی كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ میں " كَانَ " کا ترجمہ فعل ماضی "تھا" سے ادا کیا ہے، انہوں نے فی علم اللہ محذوف مانا ہے۔ یعنی اللہ کے علم میں تھا کہ ابلیس درحقیقت کافر ہے۔ لیکن اس پر کفر کا حکم تو اس وقت نافذ ہوا جب اس نے سجدے سے انکار کر دیا۔

لیکن مودودی صاحب اپنے خود ساختہ مطلب میں ابلیس پر تب سے کفر کا حکم لگا رہے ہیں جب اسے سجدہ کا حکم بھی نہیں ملا تھا۔ مودودی صاحب کا مطلب نہ صرف آیت کریمہ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کی غلط

ترجمانی ہے، بلکہ دوسری آیت وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکھف :50) (جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے، سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے) کے مقتضی کے بھی خلاف ہے۔

سجدہ تعظیمی کا شرعی حکم

انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ جبین کو خاک پر رکھ دینے کا نام سجدہ ہے۔

یہ سجدہ اگر عبادت کی غرض سے ہو تو "سجدۂ عبادت" اور اگر محض تعظیم و تکریم کے لیے ہو تو ''سجدۂ تعظیمی'' کہلاتا ہے۔

گذشتہ امتوں میں سجدہ تعظیمی کی اجازت تھی۔(احکام القرآن للجصاص: البقرہ تحت آیۃ رقم:34) چناں چہ قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی طرف سے سجدہ کرنے کا ذکر آتا ہے وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (یوسف:100) (اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں۔) حضرت آدم علیہ السلام کو کیا جانے والا سجدہ بھی سجدہ تعظیمی تھا۔(تفسیر عزیزی فارسی البقرۃ: تحت آیہ رقم:34) لیکن شریعت محمدیہ میں ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، چاہے سجدہ تعظیمی یا سجدہ عبادت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لو کنت امر احدا لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا** (جامع الترمذی: باب حقوق الزوج علی المراۃ: رقم الحدیث:1159) یعنی اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کا بڑا حق رکھا ہے۔

لہٰذا قبر، پیر، یا استاد وغیرہ کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے۔ اگر عبادت کی نیت ہو تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔

آیات

وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (البقرۃ:35 تا36)

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم! رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو، جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے، پھر تم ہو جاؤ گے ظالم، پھر بھلا دیا ان کو شیطان نے اس

جگہ سے، پھر نکالا ان کو اس عزت وراحت سے کہ جس میں تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ایک وقت تک۔

ربط

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی دل جوئی اور تسکین خاطر کے لیے حضرت حوا علیہا السلام کو ان کی پسلی کے مادہ سے پیدا فرما کر ان کا ہم نشین بنا دیا۔ اور دونوں جنت میں خوش وخرم اور راحت و مسرت کے دن گزارنے لگے۔ نعمتوں سے بھری جنت میں ایک درخت ایسا بھی تھا جسے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا تھا۔ وہ درخت کون سا تھا؟ قرآن کریم اور صحیح حدیث میں اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ چوں کہ اس پر کوئی شرعی حکم موقوف نہیں، اس لیے اس کی جنس معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر کبیر: البقرۃ تحت آیہ رقم: 35، 36)۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام کی خوش بختیوں کے یہ مناظر ابلیس کو کب گوارہ تھے؟ وہ تو بہر صورت ان سے ان کی مسرتیں چھین کر اپنے جذبہ حسد کو سامان تسکین پہنچانا چاہتا تھا۔

چناں چہ اس نے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہا السلام کا خیر خواہ بن کر انہیں بہکانا شروع کر دیا کہ اگر یہ درخت کھا لیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہ کر جنت میں قربت الٰہی کے مزے لُوٹو گے۔ کیوں کہ اس درخت میں حیاتِ جاوداں اور ملکِ لازوال کا راز مضمر ہے۔

هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ وَ مُلۡكٍ لَّا يَبۡلٰى ﴿۱۲۰﴾ (طه:120)

(میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا زندہ رہنے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو؟)

ساتھ تاویل بھی بتادی کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت منع فرمایا تھا جب تمہاری استعداد کمزور تھی، اب تو ماشاء اللہ تمہاری استعداد اپنی کمال قوت کو پہنچ چکی ہے۔ اس لیے اب کھانے میں کچھ حرج نہیں حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی دل فریب باتوں پر کچھ تردد ہوا تو قسمیں کھا کر یقین دلانے لگا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىۡ لَـكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۙ﴿۲۱﴾ (الاعراف:21)

تاویل بھی ذرا نمکین تھی، پھر درخت کی خوبیاں سنا کر حضرت آدم علیہ السلام کے آتش شوق کر بھڑکا چکا تھا۔ پھر ظالم نے خدا کی قسمیں کھا کر اطمینان دلایا تھا۔ محبوب کا نام سن کر تو اہل دل گھل ہی جاتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ کوئی بد بخت رب ذوالجلال پر بھی جھوٹی قسمیں کھا سکتا ہے؟

غرض سب ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سمجھے اب درخت کھانا ممنوع نہیں رہا اور لغزش میں آکر درخت کھا لیا۔ بس درخت کا کھانا تھا کہ سب عیش وآرام رخصت ہو گیا اور نیچے اترنے کا حکم

دیا گیا، ظاہری سزا تو یہ ہوئی کہ جنت سے زمین پر اترنے کا حکم ملا اور باطنی سزا یہ دی کہ تمہاری اولاد میں باہم عداوتیں ہوں گی، جس سے زندگی کا لطف پھیکا پڑ جائے گا اور دنیا کی یہ زندگی بھی عارضی ہوگی، چند دن گزار کر یہاں سے بھی کوچ کرنا ہوگا۔

آدم علیہ السلام فرط ندامت سے رونے لگے اور بارگاہ الٰہی میں معافی کے خواست گار ہوئے۔

ابلیس حضرت آدم علیہ السلام سے ملا تھا یا محض وسوسہ ڈالا تھا؟

قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام میں باقاعدہ مکالمہ ہوا تھا۔ یہ لغزش محض وسوسے کا نتیجہ نہیں۔ کیوں کہ قسمیں عادۃً کلام ہی میں کھائی جاتی ہیں اور کلام ملاقات کی صورت میں ممکن ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ ایک آیت فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الاعراف:20) میں وسوسہ کی تصریح ہے تو اس کے متعلق اتنا جان لینا چاہیے کہ وسوسہ صرف دل میں خیال لانے کا نام نہیں ہے، بلکہ کلام میں کسی کو ورغلانا بھی وسوسہ کہلاتا ہے۔ (بیان القرآن: البقرہ: تحت آیۃ رقم:36)۔

مکالمہ کہاں ہوا تھا؟ اس کی صحیح خبر معلوم نہیں تاہم ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام سیر کے لیے جنت سے باہر آسمانوں کی طرف آئے ہوں، وہاں ابلیس سے ملاقات ہوگئی ہو۔ یا آدم علیہ السلام جنت کے دروازے پر ہوں اور ابلیس جنت کے دروازے کے باہر اور یہ مکالمہ ہوگیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس مقام پر بے ساختہ یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ کیا انبیائے کرام سے بھی گناہ سرزد ہوسکتے ہیں؟ اس لیے یہاں مسئلہ عصمت انبیاء پر ایک تحقیقی نظر ڈال لینی چاہیے، تاکہ عصمت انبیاء کا مسئلہ بے غبار ہوکر واضح ہوجائے۔

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

اہل سنت والجماعت کے نزدیک پوری انسانیت میں صرف انبیائے کرام ہی ایسی مقدس جماعت ہے جو معصومیت کے درجے پر فائز ہے۔ **والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلّهم منزّهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبح:** (شرح كتاب الفقة الأكبر بحث في انّ الأنبياء منزهون عن الصغائر والكبائر، ص:99: بيروت) ان کے اقوال وافعال، حرکات وسکنات سے قصداً وارادۃً کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوسکتا جو ان کے دامن عصمت کو داغ دار کرسکے۔ **وجب أن تكون كل اعتقاداته وأفعاله، واقواله، وأخلاقه الاختيارية بعد الرسالة موافقة لطاعة الله تعالىٰ، وجب أن لا يدخل في شيئ من اعتقاداته وأفعاله، وأقواله وأخلاقه معصية لله تعالىٰ (العقيده الاسلاميه، الفصل**

الرابع، صفة العصمة، ص:382) وہ کسی جبر اور اکراہ کے بغیر اپنے اختیار سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں (العصمةفضل من الله ولطف منه، ولكن على وجه يبقى اختيار هم بعد العصمة فى الإقدام على الطاعة، والامتناع عن العصمة وإليه مال الشيخ ابو منصور الماتريدى حيث قال : العصمة لاتزيل المحنة أي الإبتلاء والامتحان، يعنى لا تجبره على الطاعة، ولا تعجزه عن المعصية" (شرح كتاب الفقه الأكبر للملا على القارى، بحث فى ان الانبياءمنزهون، ص:105)

وأما تعريفها الحقيقى على ما ذكره فى شرح المقاصد فهو أنها ملكة اجتناب المعاصى مع التمكن منها (حاشيه خيالى:ص:107)

ان عصمة الأنبياء ليست لامر طبعى، بل بمحض توفيق الله تعالىٰ (روح المعانى، ابراهيم، تحت آيه، رقم:35)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کی ذات گرامی سراپا خیر بن کر جلوہ افروز ہوتی ہے، بارگاہ خداوندی سے امت کے ہر فرد کو بغیر چوں چرا کیے، ان کی مطلق اطاعت کا حکم ملا ہے: وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (دلت على وجوب طاعتهم مطلقاً فلو اتوا بمعصية لوجب علينا الاقتداء بهم فى تلك المعصية واجبة علينا، فيلزم توارد الايجاب والتحريم على الشئ الواحد وإنه محال (تفسیر کبیر، النساء، تحت آیہ رقم:64) (اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے۔) بلکہ باری تعالیٰ نے ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80) (جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔) ان کی زندگی کو "اسوة حسنة" کا خطاب دے کر واضح کر دیا ہے کہ ان کا ہر فعل اور ہر قول ہدایت کا روشن چراغ ہے جہاں معصیت کی ظلمت نہیں پھٹک سکتی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب :21) (تمہارے لیے بھلی (مفید) تھی رسول اللہ کی چال)۔

اب اگر ان سے گناہ صادر ہونے لگیں تو پوری امت جذبہ اطاعت کے ساتھ اس معصیت میں شریک ہو جائے گی۔ معصیت، اطاعت قرار پائے گی۔ جس سے سارا نظام ہدایت درہم برہم ہو جائے گا۔ وحی الٰہی سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ہدایت کی ہر منزل مشکوک ٹھہرے گی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس مقام پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے اگر انبیاء معصوم ہیں تو پھر قرآن وحدیث میں ان کی طرف ایسی چیزیں

کیوں منسوب ہیں جو گناہ ہیں؟

شبہ کا ازالہ

پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ انبیائے کرام سے منسوب ایسے واقعات ہم تک کس طریق سے پہنچے ہیں۔ اگر خبر واحد کے ذریعے پہنچے ہیں تو قابل التفات ہی نہیں، کیوں کہ انبیائے کرام کو گناہ گار ٹھہرانے سے بہتر ہے کہ راویوں کو جھوٹا اور غلط ٹھہرایا جائے۔ اور اگر ایسے امور خبر متواتر اور قرآن کریم سے ثابت ہیں تو ایسے تمام افعال:

سہو اور نسیان پر محمول ہیں (والجواب عنه اما اجمالاً فهو ان ما نقل احاداً مردود، وما نقل متواتراً او منصوصاً فی الكتاب محمول على السهو والنسيان او ترک الاولیٰ او کونه قبل البعثة او غير ذلک من المحامل والتاويلات (شرح المقاصد، المقصد السادس، 3/311: بیروت)۔

کیوں کہ معصیت تو اس نافرمانی کو کہتے ہیں جو جان بوجھ کر اور پورے عزم وارادے کے ساتھ وجود میں آئے۔ اگر عزم وارادے کے بغیر بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہو تو اسے گناہ نہیں کہتے، بلکہ لغزش (زلۃ) کہتے ہیں۔ (والحاصل: ان احداً من اهل السنة لم يجوز ارتكاب المنهى منهم عن قصد، ولكن بطريق السهو والنسيان، ويسمى ذلک زله" (شرح کتاب الفقہ الاکبر للملا علی القاری، بحث فی ان الانبیاء منزھون: ص:105)

اہل سنت والجماعت کی تصریح کے مطابق بھول چوک سے ہونے والے ایسے تمام امور (صغائر) عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ (أما الصغائر ويجوز سهواً بالاتفاقلكن المحققين اشترطوا ان ينهوا عليه فينتهوا عنه (شرح العقائد النسفية: ص مبحث عصمة الانبياء: 326) اسی قصہ آدم علیہ السلام کو لیجیے جس کے بارے میں آیا ہے فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ البقرة:36 (پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے) زلۃ بلا ارادہ پھسل جانے کو کہتے ہیں۔ (شرح کتاب الفقہ الاکبر للملا علی القاری: ص:105) ایک دوسرے مقام پر تو واضح الفاظ میں فرما دیا کہ یہ سب بھولے سے ہوا۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طه:115) (پھر بھول گیا اور نہیں پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت (پختگی)۔

یا ایسے تمام امور مؤوّل ہیں۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے چاند کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا هَذَا رَبِّيْ (انعام:78) لہٰذا اس ناقابل تردید قول کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں ہمزہ استفہام

محذوف ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے "أھَذَا رَبِّیْ بزعمکم؟" کیا تمہارے خیال میں میرا رب یہی ہے؟ یا خطائے اجتہادی پر محمول ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں ایسے افعال پر عصیان کا اطلاق محض ظاہری صورت کی بنا پر ہوا ہے۔یا انبیائے کرام کے اعلیٰ مقام ومراتب کی نسبت انہیں عصیان کہہ دیا گیا ہے۔(وذکر فی عصمۃ الانبیاء لیس معنی الزلۃ انھم زلوا عن الحق الی الباطل۔ ولکن معناھم انھم زلوا عن الافضل الی الفاضل، وانھم یعاتبون بہ لجلال قدرھم ومکانتھم من اللہ تعالیٰ)تفسیر حقی طہ: تحت آیہ رقم: 121)

انبیاء کو کن امور میں سہو اور نسیان ہوتا ہے؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیائے کرام سے متعلقہ امور چار خانوں پر تقسیم فرما کر ہر ایک پر عمدہ کلام فرمایا ہے کہ انبیاء کے کن امور میں سہو ونسیان کا احتمال رہتا ہے۔(تفسیر کبیر، البقرہ، تحت آیہ رقم 36، بتغیر یسیر)

امور عقائد

اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام فطرت توحید پر پیدا ہوتے ہیں اور تادم آخر اس عقیدے پر کاربند رہتے ہیں۔ان کے دل کا آئینہ ہنوز توحید سے جگمگا تا رہتا ہے۔بندگان خدا کی یہ مقدس جماعت زندگی کے ہر مرحلے میں کفر وشرک کی ظلمتوں سے محفوظ رہی ہے،عمداً یا سہواً ان سے کفریہ اعمال صادر نہیں ہوئے۔البتہ شیعوں کے نزدیک انبیاء سے تقیہ کے طور پر کفر کا اظہار ہوسکتا ہے۔

فریضہ تبلیغ

اس پر بھی پوری امت کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام خدا کے احکام انسانوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی دروغ گوئی یا تحریف سے کام نہیں لیتے۔وہ اس فریضے کی انجام دہی میں ہر قسم کی غلطی سے محفوظ اور معصوم ہیں۔سہو اور نسیان بھی ان پر طاری نہیں ہوتا۔

اجتہاد

اس میں اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیائے کرام غیر منصوصہ مسائل میں وحی کا انتظار کرنے کے بعد اپنے اجتہاد سے جو حکم صادر فرماتے ہیں اس میں خطا کا امکان ہوتا ہے۔تاہم اگر خطائے اجتہادی واقع ہوجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے اطلاع آجاتی ہے۔چوں کہ یہ اجتہاد ہے،اس لیے اس میں سہو اور نسیان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

افعال وعادات

اس میں اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیائے کرام عمداً کبیرہ اور صغیرہ (غیر اولیٰ) سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ البتہ کبھی کبھی سہواً اور نسیاناً غیر اولیٰ امور صادر ہو جاتے ہیں، جو بظاہر معصیت معلوم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت کسی تشریعی حکم کے اظہار کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نماز میں سہو پیش آیا، جو بظاہر غفلت معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس سے سجدۂ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا۔ (تفسیر الکبیر، البقرۃ، تحت آیہ رقم، 36)

مسائلِ جدیدہ کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا نقطۂ نظر

ایک مولوی صاحب نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت! اگر ایک رسالہ ایسا اور لکھا جاتا کہ جس میں ہر پیشہ ور کے معاملات کے احکام کو اس میں شرعی حیثیت سے بصورت مسائل بیان کر دیا جاتا تو بڑی سہولت ہو جاتی، اس لیے کہ لین دین وغیرہ میں آجکل نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اکثر احکام شرعیہ کے خلاف عمل درآمد ہو رہا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کو لوگ دشوار سمجھتے ہیں۔ یہ سب مشکلیں حل ہو جاتیں۔ فرمایا کہ آپ آج یہ کہہ رہے ہیں، میں نے تو ایک عرصہ ہوا، اس وقت چاہا تھا کہ سب اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوال کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دے دیں، چاہے وہ تجارت پیشہ ہو یا زراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ وغیرہ وغیرہ۔ میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا اور احکام بتلا دوں گا، مگر کسی نے میری مدد نہ کی۔ بڑے کام کی کتاب ہوتی۔

اسی کے متعلق میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ اکثر کثیرۃ الوقوع معاملات پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں۔ اس سے بہت ہی قوت ہو گئی تھی کہ اب تو کوئی مانع ہی نہیں رہا۔ اور میں خود اس لیے نہیں لکھ سکا کہ مجھ کو معاملات یا واقعات ہی کی خبر نہیں، اس لیے اگر تجارت پیشہ و زراعت پیشہ و ملازمت پیشہ اہل صنعت و حرفت یہ سب ان چیزوں کے متعلق واقعات بصورت استفتا جمع کر کے دے دیتے تو میں سوال و جواب کی صورت میں ان کے احکام جمع کر دیتا۔ اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا، امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا، امام احمدؒ بن حنبل کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا اور اگر ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے تو ان کی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کر لیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا۔ اور اگر کوئی بات سمجھ ہی سے باہر ہوئی تو اس کا کوئی علاج نہیں، معذوری ہے۔ اور اب اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں رہی۔ ضعف کے سبب تحمل نہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اب ایسا کام نہیں ہوتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۲۱۴ جلد ۶)

عظمتِ رفتہ کی واپسی کا واحد راستہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اسلام سے پہلے مختلف قوموں میں عورتوں کو میراث نہیں ملتی تھی۔ان کا خیال تھا کہ جو لوگ دشمن سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں اور قوم کی حفاظت اور مدافعت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، انہیں کو میراث پانے اور خاندان کی املاک میں حصہ دار بننے کا بھی حق حاصل ہے، غرض جسمانی طاقت اور مقابلہ کی قوت کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اسی کو قوموں کی سربلندی کا راز اور غلبہ واقتدار کا وسیلہ تصور کیا جاتا تھا، اور بڑی حد تک اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے یہ بات درست بھی تھی ؛لیکن آج حالات تبدیل ہو چکے ہیں، اور اب قوموں کی تقدیر میدان جنگ کی للکار اور شمشیر وآہن کی جھنکار کے بجائے علم وتحقیق کے مراکز اور دانش گاہوں سے متعلق ہوگئی ہے۔

جو قوم علم وفن سے عاری اور فکر ودانش سے محروم ہو، خواہ کتنی ہی بڑی تعداد رکھتی ہو؛ لیکن اس کی حیثیت مٹی کے ڈھیر کی ہے، جو ہمیشہ پاؤں تلے روندا اور قدموں کے نیچے بچھایا جاتا ہے، اس کی ایک کھلی ہوئی مثال جاپان اور خود ہمارا ملک ہندوستان ہے۔

ہم آبادی کے اعتبار سے دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت ہیں، اور ہمارے ملک کا رقبہ بھی کچھ کم نہیں، قدرتی وسائل جتنے اس ملک کو حاصل ہیں، کم ہی اس کی مثال ملے گی، اس کے برخلاف جاپان آبادی کے اعتبار سے بھی اور رقبہ کے لحاظ سے بھی ہم سے بہت چھوٹا ملک ہے، قدرتی وسائل میں بھی وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا؛ لیکن آج ہمیں جاپان کے سامنے دستِ سوال پھیلانا اور کشکولِ گدائی بڑھانا پڑتا ہے، یہ صورتِ حال محض علم ودانش کا ادنی کرشمہ ہے!

اسلام وہ مذہب ہے جس نے اپنی آمد کے اول دن سے علم پر زور دیا ہے، پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سماج میں پیدا ہوئے، اور نبوت سے سرفراز کیے گئے، اس میں کیا کچھ برائیاں اور بے حیائیاں نہیں تھیں، شرک عام تھا، سیکڑوں دیویوں او دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، طاقت کی حکمرانی تھی، نہ جان محفوظ تھی، نہ مال اور نہ عزت وآبرو، بے حیائی اور برے شرمی کی ایسی کوئی بات نہیں تھی جو سماج میں نہ پائی جاتی ہو۔

بہ ظاہر خیال ہوتا ہے کہ ان حالات میں انسانیت کے نام اللہ تعالی کا پہلا پیغام توحید خداوندی کی دعوت اور شرک و بت پرستی کی تردید کا آنا چاہئے تھا، کہ اسلام کی پوری تعلیم کا لب لباب اور خلاصہ یہی خدا کی وحدانیت کا تصور ہے، یا پھر پہلی وحی ظلم و جور کی مذمت و انصاف کی ترغیب کی بابت ہونی چاہئے تھی؛ کیوں کہ انسان سب سے زیادہ ضرورت مند ایسے سماج کا ہوتا ہے جو پر امن ہو، ظلم و زیادتی سے محفوظ ہو، اور بقاءِ باہم کے اصول پر قائم ہو؛ لیکن غور فرمایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس میں صراحتاً ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں؛ بلکہ فرمایا گیا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھئے، جو تمام کائنات کا خالق ہے، یعنی سب سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت کو جس بات کی دعوت دی گئی وہ ''تعلیم'' ہے؛ کیوں کہ علم ایسا سرچشمہ ہے جس سے تمام بھلائیاں پھوٹتی ہیں، اور تمام مفاسد کا رد ہوتا ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم روشنی ہے، ''العلم نور'' (حلیۃ الأولیاء: ۶ / ۳۱۷)

اگر کوئی مکان اندھیرا ہو تو اس میں چور اور ڈاکو کا داخل ہونا بھی آسان ہوتا ہے، اور سانپ کیڑوں کی بھی آماج گاہ بن جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک کا مقابلہ الگ الگ دشوار ہے؛ لیکن اگر چراغ جلا دیا جائے اور مکان روشن ہو جائے تو نہ چور اور ڈاکو کو گھر میں آنے کا حوصلہ ہوگا، نہ سانپ کیڑے اس مکان کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے، علم کو روشنی کہہ کہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، ہر برائی کو الگ الگ دور کرنا اور ان کا علاحدہ مقابلہ کرنا آسان نہیں؛ لیکن تمام برائیوں اور مفاسد کا اصل سرچشمہ جہالت اور علم سے محرومی ہے، کسی سماج میں جب علم کی روشنی آجائے تو خود بہ خود سماج کی برائیاں دور ہوں گی اور علم و دانش کی آگ ان کو پھونک کر رکھ دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتنا پاس ولحاظ تھا کہ مکہ میں ہر طرح کی دشواری کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''دارِ ارقم'' کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا، اور اول دن سے اپنے رفقاء کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ رہے، مکہ کا جو لٹا پٹا قافلہ مدینہ آیا، اس میں سیکڑوں بے گھر در تھے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ذاتی مکان میسر نہیں تھا، اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں مہمان تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے لئے گھر کی فکر کی اور نہ اپنے ان ساتھیوں کے لئے، جو مستقل اقامت گاہ سے محروم تھے؛ بلکہ سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے ایک عبادت گاہ اور دینی مرکز کی حیثیت سے ''مسجد نبوی'' کی تعمیر فرمائی، اور پہلی باضابطہ درسگاہ ایک چبوترہ کی شکل میں قائم کی، جسے ''صفہ'' کہا جاتا تھا، یہی چھوٹی سی جگہ جزیرۂ عرب کے کونے کونے سے آنے والے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز تھی، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے منتظم اور استاذ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان گھر بار او

ردوسرے اسبابِ آسائش سے بڑھ کر اپنے بچوں کی تعلیم پر اولین توجہ دیں کہ جو قوم اپنا گھر پھونک کر علم کا چراغ جلانا نہ جانتی ہو، سربلندی ودرخشانی کبھی اس قوم کے حصہ میں نہیں آسکتی۔

اگر تاریخ کے عجوبہ اور حیرت انگیز واقعات کو جمع کیا جائے تو اس میں ایک یہ بھی ہوگا کہ غزوۂ بدر میں ستر اہل مکہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار کیے گئے، اس وقت مسلمان سخت معاشی مشکلات سے گزر رہے تھے، نہ ان کو معقول غذا میسر تھی، نہ ضرورت کے مطابق لباس تھا، اور نہ مناسب رہائش گاہ اور تو اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہفتوں چولہا سلگنے کی نوبت نہ آتی تھی، اس عہد میں شاید ہی کوئی مسلمان گھر ہو، جو فاقہ مستی کی لذت سے نا آشنا رہ گیا ہو۔

یہ موقع تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ کے طور پر اہل مکہ سے زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کر لیتے، اور مدینہ کی معیشت کو سہارا دیتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسیرانِ بدر کا ایک فدیہ یہ مقرر کیا کہ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں امت کے لئے اسوہ ہے کہ گو ہمیں بھوکے رہنا پڑے، ہماری کروٹیں فاقوں سے بے سکون ہوں، اور دنیا کے اسبابِ راحت ہمیں کم سے کم میسر ہوں؛ لیکن ہر قیمت پر ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کو اولیت دیں، اور تعلیم سے محروم کر کے ہم ان کے اور پوری قوم کے مستقبل کو ضائع نہ ہونے دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام نے تعلیم میں کسی تنگ ذہنی اور تعصب کو راہ نہیں دی ہے، علم کا حصول بہ ہر حال ایک نعمت ہے، چاہے وہ غیر مسلم سے حاصل ہو؛ بلکہ ان لوگوں سے حاصل ہو جن سے ہماری زندگی کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہے؛ بہ شرطیکہ ان سے ہمارے ایمان وعقیدہ اور ہماری مذہبی قدروں کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

اسلام کسی بھی ایسے علم کا مخالف نہیں جو انسانیت کے لئے نافع ہو، نہ وہ کسی زبان کا مخالف ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض رفقاء کو عربی زبان کے علاوہ بعض دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ہدایت فرمائی، اور فرمایا کہ تمام ہی زبانیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ علم نافع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عبادت قرار دیا، (مجمع الزوائد: ۲/ ۱۲۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی موت کے بعد بھی تین چیزوں کا اجرا سے پہنچتا رہتا ہے، من جملہ ان کے ایک ایسا علم ہے جس سے اس کے بعد لوگوں کو نفع پہنچتا رہے۔

افسوس کہ جس امت کو سب سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی اور اس کے ہاتھوں میں قلم تھمایا گیا، وہی ہے کہ آج جہالت وناخواندگی اور تعلیم سے محرومی اس کے لئے وجہِ امتیاز بنی ہوئی ہے، اور دبی کچلی قومیں بھی

اس میدان میں اسے پیچھے چھوڑ چکی ہیں۔

ایک ایسی قوم کے لئے جس نے سیکڑوں سال تک اس ملک کے طول وعرض پر حکومت کی ہے، اور آج بھی اس ملک کا کوئی خطہ نہیں، جہاں اس کی فرماں روائی اور عظمتِ رفتہ کے انمٹ اور قلب ونگاہ کو محوِ حیرت کر دینے والے نقوش موجود نہ ہوں، مگر عظمتِ رفتہ کے یہ نقوش آج ہمیں منہ چڑاتے ہیں، اور زبانِ حال سے ہم پر قہقہہ زن ہیں کہ یہ کیسی قوم ہے کہ جس کے حال کا اس کے ماضی سے کوئی رشتہ نہیں؟؟

اس ذلت اور پستی سے نکلنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ مسلم محلوں اور آبادیوں کے گلی کوچوں میں تعلیم کی ایسی ہی تحریک چلائی جائے، جیسے الیکشن میں ووٹوں کے لئے مہم چلائی جاتی ہے، مسلمان پوری قوم کو اپنا خاندان وکنبہ تصور کریں، وہ اپنے بچوں کی تعلیم پر بھی توجہ کریں، اور اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی طالب علم پڑھتے پڑھتے رک گیا ہو، معاشی ناہمواری نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم تھام لیے ہوں، یا وہ نفسیاتی کم حوصلگی کا شکار ہو گیا ہو، ایسے بچوں کا حوصلہ بڑھائیں، اور اجتماعی طور پر سماج کے ایسے بچوں کی تعلیمی کفالت قبول کریں، ایسی درسگاہیں قائم کریں جن کا نصب العین قوم کی خدمت ہو، جو تعلیم کو تجارت اور روپیوں کا ٹکسال نہ سمجھتے ہوں؛ بلکہ پوری امت کو ایک خاندان سمجھ کر اس کی خدمت کے لئے میدانِ عمل میں اترے ہوں، جن کو ہوٹلوں اور معمولی کارخانوں میں ان کمسن مسلمان بچوں کا برتن دھونا اور جھاڑو دینا تڑپا دیتا ہو، جن کے چہرے بشرے سے ذہانت ہویدا ہے، اور جن کی آنکھیں ان کی اندرونی ذکاوت وفراست کی چغلی کھاتی ہیں۔

جب تک قوم کے سربرآوردہ لوگوں میں پوری قوم کے لئے درد اور کسک پیدا نہ ہو، مسلمانوں کی پست حالی ان کی کروٹوں کو بے سکون اور ان کی آنکھوں کو بے آرام نہ کر دے، مسلم تعلیمی ادارے مکان کی تعمیر کے بجائے انسان کی تعمیر کی طرف متوجہ نہ ہوں، وہ تعلیم وتعلم کو تجارت کے بجائے عبادت کا درجہ دینے پر آمادہ نہ ہوں، اور پوری قوم میں یہ احساس نہ جاگے کہ تعلیم ہی سے ہماری تقدیر وابستہ ہے، یہ ہماری شہ رگ ہے، اور اس سے محرومی کے بعد کسی قوم کے لئے باعزت طور پر زندہ رہنا ناممکن ہے، تب تک ہمارا خوابیدہ نصیب جاگ نہیں سکتا، اور ہم روٹھے ہوئے ماضی کو منا کر واپس نہیں لا سکتے!!

❁❁❁

افضل البشر بعد الانبیاء

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مولانا محمد الیاس گھمن صاحب

جب سے دنیا بنی ہے کائنات میں اتنی بڑی آزمائش نہیں آئی جتنی نبی الانبیاء، امام الانبیاء، فخر الانبیاء، سید الانبیاء، خاتم الانبیاء کی وفات کے دن پیش آئی۔ ارض وفلک دم بخود، آفتاب و ماہتاب اشکبار، حجر و شجر ساکت، جن وانس مضطرب، مدینہ طیبہ کے در و دیوار سے حزن وملال کی آہیں۔ اہل اسلام کا وہ کون سا فرد ہے جو حسرت و یاس کے عالم میں معطل حواس کے ساتھ رنجیدہ خاطر نہ ہو کہ کائنات کے ہادی اعظم اور محسن اعظم نے پردہ فرما لیا، یعنی اللہ کے آخری نبی، رسول اور پیغامبر رفاقت اعلیٰ کے عہد کی پاسداری کے لیے لبیک کہہ کر اس جہان سے کوچ فرما گئے۔ اللہ کے آخری نمائندے نے اپنے پہلے نمائندے کو اپنا اثاثہ، اپنا سرمایہ اور اپنی امت سپرد کر دی۔ بیت اللہ کو بسانے والے نبی کے اہل بیت جاں بلب ہیں، صحابہ کرام رنج و گریہ کے عالم میں جدائی محبوب سے زمین میں گڑے جا رہے ہیں، سوگوار فضاء میں اسلام، اہل اسلام، اسلامی ریاست اور حالات کو سنبھالتے ہوئے افضل البشر بعد الانبیاء کی ایمان افروز، تسلی بخش اور مبنی بر حقیقت صدا گونجی: **لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا** آپ پر جو ایک موت آنی تھی سو وہ آ گئی۔ اب دوبارہ (قبر میں) آپ کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ بلکہ حیات ہی حیات حاصل رہے گی۔ گویا ان الفاظ سے امت کو یہ تسلی دی کہ ہمارا اور نبوت کا رشتہ بالکلیہ ختم نہیں ہوا بلکہ آپ کی رحمت اور گناہگاروں کے لیے استغفار اور دعا والا سلسلہ جوں کا توں قیامت تک باقی رہے گا۔

اور اس کے بعد محبوب کل جہاں کے رخِ حسین تر کی پیشانی مبارک سے حق وصداقت کے اعلان و اظہار کے لیے اپنے لبوں سے خیرات حاصل کی۔ پرنم بوجھل پلکوں اور فراقِ یار سے معمور بوجھل سینے سے امت کی رہنمائی کے بوجھ کو اٹھانے کا عہد کیا۔ یہ عہد کرنے والے رسول اللہ کے پہلے خلیفہ، امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو جس مقام پر چھوڑ کر گئے تھے اس مقام سے آپ رضی اللہ عنہ نے آگے کا سفر شروع کیا۔ آپ کی زندگی حیات نبوت کی پرتو تھی، علم وعمل، تقویٰ وللّٰہیت، طور طریقے، عادات واخلاق، سلوک

واحسان، ماہ وسال، سفر وحضر، نشیب وفراز، مدوجزر، مصائب وآسائش، جنگ وامن، الغرض ہر شعبہ زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرصع نگاری کے انمول شاہکار اور کمالات نبوت کے آئینہ دار تھے۔

ولادت

آپ کی ولادت واقعہ فیل سے تین سال بعد 573ء میں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ دو سال چند ماہ چھوٹے ہیں۔

نام مبارک اور نسب

امام زرقانی نے شرح المواہب میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبدرب الکعبہ تھا۔ امام قرطبی کے بقول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔

تاریخ کی کتب میں مذکور ہے کہ آپ کے والد ماجد ابوقحافہ کا نام ''عثمان'' تھا، جن کا تعلق بنو تیم قبیلہ سے تھا اور نسب مبارک اس طرح ہے۔ ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر القرشی التیمی۔ جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''ام الخیر سلمی'' تھا، ان کا نسب مبارک اس طرح ہے۔ سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔

کنیت

کنیت ابوبکر ہے۔ جس کے معنی سبقت کرنے، پہل کرنے والے کے ہوتے ہیں چنانچہ آپ ہر خیر کے کام میں سبقت فرمایا کرتے۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا، دین اسلام کی اشاعت میں سب سے پہلے اپنا مال خرچ کرنے کی سعادت حاصل کی۔

عتیق وصدیق

یہ دو آپ کے القاب ہیں۔ امام ترمذی نے اپنی سنن میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم من جانب اللہ جہنم کی آگ سے آزاد (محفوظ) ہو اسی دن سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

مستدرک میں امام حاکم میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ شب معراج کے اگلے دن مشرکین مکہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا، اپنے صاحب کی اب بھی تصدیق کرو گے؟، انہوں نے دعوٰی کیا ہے

''راتوں رات بیت المقدس کی سیر کر آتے ہیں۔ ابوبکر صدیق نے کہا: "بیشک آپ نے سچ فرمایا ہے، میں تو صبح وشام اس سے بھی اہم امور کی تصدیق کرتا ہوں''۔ اس واقعہ سے آپ کا لقب صدیق مشہور ہو گیا۔

حلیہ مبارک

تاریخ کی کتب میں آپ رضی اللہ عنہ کے حلیہ مبارک کچھ اس طرح منظر کشی کی گئی ہے کہ آپ کا رنگ سفید، رخسار ہلکے ہلکے، چہرہ باریک اور پتلا، پیشانی بلند۔

بچپن

ارشادالساری اور مرقاۃ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کا واقعہ سناتے ہوئے فرمانے لگے کہ یارسول اللہ! میرے والد زمانہ جاہلیت میں مجھے صنم کدے لے گئے اور بتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا یہ تمہارے خدا ہیں انہیں سجدہ کر۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ تو میں نے بتوں کو عاجز ثابت کرنے کے لیے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پتھر ہاتھ میں لیکر فرمایا میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ پھر بھی کچھ نہ بولا تو آخرکار میں نے پوری قوت سے اس کو پتھر مارا تو وہ منہ کے بل گر پڑا۔ عین اسی وقت میرے والد واپس آئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا کیا؟ میں نے کہا وہی جو آپ نے دیکھا۔ وہ مجھے میری والدہ کے پاس لیکر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو کہ جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے ایک آواز سنی کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے اللہ کی بندی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے۔

آپ کے بچپن سے متعلق تاریخ الخلفاء میں ہے کہ ایک بار صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے جاہلیت میں شراب پی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی پناہ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا میں اپنی عزت وآبرو کو بچاتا تھا اور مروت کی حفاظت کرتا تھا۔ اس لئے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی عزت وناموس اور مروت جاتی رہتی ہے۔ جب اس بات کی خبر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دوبار فرمایا: سچ کہا ابوبکر نے سچ کہا۔

مبارک خواب

سیرت حلبیہ میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام تشریف لے گئے وہاں آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے بھی ہوئی وہ خوابوں کی تعبیر بتلایا کرتے تھے۔ان سے اپنا خواب ذکر کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ مکہ میں کعبۃ اللہ کی چھت پر چاند اترا ہے اوراس کی روشنی سارے گھروں میں پھیل گئی ہے پھروہ روشنی میری گود میں آ گئی ہے۔تو بحیرا راہب نے تعبیر دیتے ہوئے کہا کہ تو اس نبی کی تابعداری کرے گا جس کا اس زمانے میں انتظار کیا جارہا ہے اوراس کے ظہور کا زمانہ بہت قریب آ چکا ہے تو اس نبی کے قرب کی وجہ سے لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند ہوگا۔

نوٹ : امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود بھی خواب کی تعبیر دینے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے اوراسی طرح علم الانساب میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ایمان

خصائص الکبریٰ اور ریاض النضر ہ میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شام میں خواب دیکھا۔ اس کی تعبیر بحیرا راہب سے پوچھی تو اس نے کہا کہ تیری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوگا تو اس کی زندگی میں اس کا وزیر ہوگا اوراس کی وفات کے بعد اس کا خلیفہ ہوگا۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی سے اس پر دلیل مانگی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کی دلیل وہ خواب ہے جو آپ نے شام میں دیکھا تھا۔چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔

مقام نگاہ نبوت میں

آپ کا مقام نگاہ نبوت میں بہت بلند تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی چیز ایسی اللہ تعالی نے میرے سینہ میں نہیں ڈالی جس کو میں نے ابوبکر کے سینہ میں نہ ڈال دیا ہو۔

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" وہ کون شخص ہے جس نے آج روزہ رکھ کر صبح کی ہو؟''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں نے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''وہ کون ہے جو آج جنازہ کے ساتھ گیا ہو؟''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''وہ کون ہے جس نے آج مسکین کو کھانا کھلا کر تسکین دی ہو؟''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''وہ کون آدمی ہے جس نے آج کسی بیمار کی خبر گیری کی ہو؟''ابو

بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، میں نے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''یہ کام اُسی آدمی میں جمع ہوتے ہیں جو جنت میں جائے گا۔''

صحبت ومعیت

قبول اسلام سے پہلے بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت عمدہ تعلقات تھے اور قبول اسلام کے بعد تو ساری زندگی آپ سے لمحہ بھر کے لیے جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آج تک روضہ مبارکہ میں آپ کے پہلو میں ساتھ نبھا رہے ہیں۔

ہجرت

سیرت کی تمام معتبر کتابوں میں ہجرت کا واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے مختصراً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہے بعض خوش نصیب افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کرلیا لیکن اکثر اپنی سرکشیوں کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے رفقاء کار کو طرح طرح کی تکالیف دیتے چنانچہ اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم نازل ہوا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطر سفر میں اپنے رفیق سفر کا جب انتخاب فرماتے ہیں تو آپ کی نگاہ سیدنا صدیق اکبر پر جا کر ٹھہرتی ہے۔ اسی سفر میں وہ واقعہ بھی پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سوار ہو گئے اور چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر غار ثور تک پہنچے۔ غار کی صفائی کی، آپ تین دن تک وہاں رہے۔ آپ کی بیٹی روزانہ لوگوں کی نظروں سے بچ بچا کر آپ کے لیے کھانا پہنچاتیں۔ دشمن آپ کی تلاش میں پیچھے پیچھے غار تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کے اس کے قدم بھی دکھائے دینے لگے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم کے بارے میں خوف ہوا تو تسلی کے لیے قرآن کی آیات نازل ہوئیں مزید سیدنا صدیق اکبر کی صحابیت کا اعزاز بھی اپنے سینے پر تاقیامت نقش کر دیا۔ اس غار میں وہ سانپ کے ڈسنے والا واقعہ بھی پیش آیا۔ جس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن سیدنا صدیق اکبر کی ایڑھی پر لگایا۔

خلافت

سیرت حلبیہ اور دیگر کتب سیرت میں موجود ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس لیے اتفاق کر لیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر سے بہتر اور کوئی شخص نہیں تھا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں خلافت کے مفہوم

پر نہایت ہی عمدہ اور لطیف بحث کی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے: "حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام تھی اور آپ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے بعد بعثت آپ نے جن امور کا اہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا......تمام کوششوں کا مرجع اقامت دین تھی......علوم دین کا احیاء (قائم رکھنا اور رائج کرنا)، علوم دین سے مراد ہے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت، ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج وغیرہ کا قیام واستحکام، لشکر کا تقرر غزوات کا اہتمام، مقدمات کا انفصال، قاضیوں کا تقرر، امر بالمعروف (عمدہ افعال واوصاف کا حکم دینا اور ان کو رائج کرنا) ونہی عن المنکر (بری باتوں کو روکنا اور ان کا انسداد کرنا) جو حکام نائب مقرر ہوں ان کی نگرانی کہ پابندِ حکم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں ان جملہ امور کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس فرمایا اور ان کے انصرام کے واسطے نائب بھی مقرر ہوئے وعظ ونصیحت فرمائی، صحابہ کو ممالک میں وعظ ونصیحت کے واسطے بھیجا، جمعہ وعیدین وپنج وقتہ نماز کی امامت خود فرمائی، دوسرے مقامات کے واسطے امام مقرر کیے، وصول زکوۃ کے واسطے عامل مامور کیے، وصول شدہ اموال کو مصارف مقررہ میں صرف کیا، رویت ہلال کی شہادت آپ کے حضور میں پیش ہوئی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا، حج کا اہتمام بعض اوقات خود فرمایا بعض اوقات نائب مقرر کیے جس طرح 9 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا، غزوات کی سپہ سالاری خود کی نیز اُمراء نائب سے یہ کام لیا گیا مقدمات ومعاملات کے فیصلے کیے گئے قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔وغیرہ گویا خدائی احکامات کو نبوی منہج کے مطابق نافذ کرنے کا نام خلافت ہے۔

خاندان نبی کا خیال

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا بہت زیادہ خیال فرمایا۔ان کی تمام معاشی ومعاشرتی ضروریات کو پورا کیا۔یہ ایسی عظیم الشان حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام پر لکھی جانے والی تمام معتبر کتب اس بات پر گواہ ہیں۔

خلافت کے بعد ابتدائی خطبہ

امام ابن سعد نے طبقات اور امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین وتدفین سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے دن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت عام ہوئی۔اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شاندار فقید المثال خطبہ دیا: حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! میں آپ لوگوں پر ولی منتخب کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہترین نہیں ہوں۔اگر میں اچھی بات کروں

توتم میرا ساتھ دینا اگر میں خطا کروں تو میری غلطی درست کرا دینا۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے میں اس کا حق ضرور دلواؤں گا۔ اور جو تم میں سے قوی ہے میرے ہاں کمزور ہے میں اس سے پورا حق وصول کروں گا۔ جو قوم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کردیتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ ذلت ورسوائی ڈال دیتے ہیں اور جو قوم علانیہ برائیوں میں مبتلا ہوجاتی ہے اللہ تعالی ان پر مصائب وتکالیف مسلط کردیتے ہیں۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کروں تم میری بات ماننا اور جب میں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں اللہ تم پر رحم فرمائے اب نماز کا وقت ہوگیا ہے۔

ریاستی ذمہ داریاں

تمام تاریخ نویسوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ریاستی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا۔ امن وآشتی، عدل وانصاف، خوشحالی وترقی گھر گھر تک پہنچائیں، معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے اقدامات کیے اور مدینہ منورہ کے ریاستی انتظامات جیسے عہد نبوی میں چلے آرہے تھے ان کو بحال رکھا۔

نمایاں کارنامے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بے شمار کارنامے ایسے ہیں جن پر دنیا رہتی دنیا تک ناز کرے گی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مختلف ایسے فتنے رونما ہوئے جو اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اپنی توانیاں صرف کررہے تھے۔ ان میں مدعیان نبوت کا فتنہ سرفہرست ہے۔ یمن میں اسود عنسی، یمامہ میں مسیلمہ کذاب، جزیرہ میں سجاح دختر حارث، بنو اسد وبنوطی میں طُلیحہ اسدی نے نبوت کے دعویٰ داغ دیے۔ ختم نبوت کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا کہ جس کے لیے مصلحت اختیار کرلی جاتی۔ بلکہ یہ تو اسلام کے اساسی وبنیادی عقائد میں شامل ہے۔ اس لیے اس فتنے کے خلاف سیدنا صدیق اکبر نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور لشکر اسلامی کو بھیج کر ان کا قلعہ قمع کیا۔

فتنہ مانعین زکوۃ نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہم سے زکوۃ وصول کرنے کا اختیار صرف رسول پاک کو تھا آپ کو نہیں۔ آپ نے اس فتنے کا پوری قوت اور جوانمردی سے مقابلہ کیا اور برملا فرمایا کہ جو عہد نبوی میں زکوۃ دیتا تھا اور اب اگر اس کے حصے میں اونٹ کی ایک رسی بھی زکوۃ کی بنتی ہے وہ نہیں دیتا تو میں اس سے قتال کروں گا۔

اس کے بعد ہر سو کفار کی طرف سے جنگوں کی ابتداء ہوئی۔ عراق میں آپ نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کے

تحت لشکر روانہ کیا۔عراق کے بہت سے مضافات آپ نے فتح کیے۔خورنق،سدیر اور نجف کے لوگوں سے مقابلہ ہوا۔بوازیج،کلواذی کے باشندوں نے مغلوبانہ صلح کی۔اہل انبار سے کامیاب معرکہ لڑا گیا،عین التمر میں اسلام کو غلبہ ملا،دومۃ الجندل میں اہل اسلام کامیاب ہوئے،اس کے بعد حمید،فضیع اور فراض پر اسلامی لشکر فتح و نصرت کے پھریرے لہراتے گئے۔لشکر صدیقی نے شام میں رومیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔

جمع قرآن کی خدمت بھی آپ کے مبارک دور کی یادگار ہے۔قیامت کی صبح تک آنے والے ہر شخص پر آپ رضی اللہ عنہ کا احسان موجود ہے جتنے بھی لوگ قرآن پڑھتے رہے پڑھ رہے ہیں یا آئندہ پڑھیں گے ان کے ثواب میں سیدنا صدیق اکبر برابر کے شریک ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ تصوف یعنی سلوک و احسان کے سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کی حیثیت بہت قابل قدر ہے۔آپ کی علمی خدمات بھی موجود ہیں چنانچہ ایک قول کے مطابق ایک سو بیالیس حدیثیں بہ روایت حضرت ابوبکر صدیق مروی ہیں۔جن کو امام جلال الدین سیوطی نے" تاریخ الخلفاء" میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے،اُمت کو فقہی معاملات میں جو مشکلات در پیش تھیں آپ نے اُن کا حل تجویز کیا مثلاً میراث جدہ،میراث جد،تفسیر کلالہ،حد شرب خمر۔وغیرہ۔

وفات

بالآخر وہ وعدہ وفا ہونے کا وقت آ پہنچا کہ ہر ذی روح موت کا پیالہ ضرور پیے گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا جانثار وفادار صحابی اور پہلا خلیفہ 13 ہجری جمادی الثانی کے ساتویں دن بیمار ہوئے اور 15 دن علیل رہ کر 22 جمادی الثانی مغرب اور عشاء کی درمیان فراق یار کے خیر باد کہہ کر وصال یار کے لیے عازم سفر ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

وصیت اور تدفین

الشریعہ میں امام آجری نے نقل کیا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے روضہ رسول کے سامنے رکھ دینا اور عرض کرنا کہ آپ کا غلام آیا ہے اگر اجازت مل جائے تو وہاں دفن کرنا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔وصیت کے مطابق آپ کی میت کو روضہ رسول کے سامنے رکھا گیا۔تفسیر کبیر میں امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یوں عرض کی گئی: یا رسول اللہ آپ کا غلام ابوبکر سامنے حاضر ہے۔چنانچہ قبر مبارک سے آواز آئی محب کو محبوب تک پہنچا دو۔چنانچہ آپ کو روضہ رسول میں ہی دفن کیا گیا۔

صحبتِ صالح

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

یہ انسانی فطرت بھی ہے اور اس کا ذوق ومزاج بھی کہ وہ طبعاً کسی ایسے کام پر آمادہ نہیں ہوتا جو اسے نقصان سے دوچار کردے۔ اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو کام بھی کرے وہ نفع بخش اور سودمند ہو، ہاں کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ عجلت یا ناواقفیت کی بنیاد پر کوئی ایسا کام کر بیٹھے جو سراسر گھاٹے کا ہو اور بسا اوقات تمام تر دور اندیشیوں اور معاملہ فہمیوں کے باوجود وہ ایسے امور انجام دے بیٹھتا ہے جو اس کے مالی حیثیت اور عزت ووقار کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ خواہش اس کی نہیں ہوتی نہ وہ ایسا ارادہ رکھتا ہے اور نہ کوئی گوشہ ایسا چھوڑنا چاہتا ہے جہاں سے اسے نقصان پہنچے مگر پھر بھی آدمی، آدمی ہی ہے، تمام تر سوجھ بوجھ اور دانش مندیوں کے ایسے افعال بھی اس سے صادر ہوجاتے ہیں جو اسے گھاٹے کی طرف لے جاتے ہیں۔ تجارت ہو، کاروبار ہو، ملازمت ہو یا معاش کے دوسرے ذرائع سب میں وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے اور سوچ سمجھ کر کام پورے کرتا ہے۔ یہ تو انسانی فطرت تھی، اب ماحول کی طرف آیئے، جس ماحول میں آدمی رہتا ہے اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جن لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے ان کی عادات واخلاق کو غیرارادی طور پر اختیار کرلیتا ہے بلکہ ان کی سوچ اور فکر بھی اس کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیتی ہے، اس کی اپنی صلاحیتیں کند ہوجاتی ہیں اور فکر کے سوتے خشک ہوجاتے ہیں، یہ تو ایک طے شدہ امر ہے کہ آدمی جیسی صحبت اختیار کرے گا ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔ نیک لوگوں کے پاس بیٹھے گا تو نیکیوں کا غلبہ ہوگا، برے لوگوں کے پاس بیٹھے گا تو برائیوں سے مغلوب ہوگا۔

اس لئے جن کو اللہ نے صالح فکر سے نوازا ہے وہ کبھی بھی ایسی سمت میں نہیں جاتے اور نہ ایسے لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست کرتے ہیں جہاں سے ان میں بری عادتیں پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔ اچھے لوگوں کے قریب رہ کر ان کی عادتیں اور کردار کی خوبیاں اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ان کو موقع ملتا ہے تو نیک اور اللہ والوں کے پاس جاتے اور کچھ وقت گذارتے ہیں۔ قرآن کریم نے خود اچھے لوگوں کے پاس

بیٹھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ (سورۃ توبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جولوگ (دین کے پکے اور) سچے ہیں ان کے ساتھ رہو۔

جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور جو اس کی آیات اور احکامات پر عمل کررہے ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ اپنا ایمان بھی مضبوط ہوگا اور عمل کا جذبہ بھی شدید ہوگا۔وہ لوگ جو اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے اور اس کی قدرت کاملہ کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس آنا جانا نہیں کرنا چاہئے۔نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے کے فوائد یقینا سامنے آئیں گے، ایمان تازہ ہوگا، حلال وحرام کی تمیز پیدا ہوگی، اخلاق نظیف ہوں گے، کردار پاکیزہ بنے گا، ظاہری حالت میں بھی تبدیلی آئے گی، باطن بھی انقلابی کیفیت سے گزرے گا، خوفِ خداوندی پیدا ہوگا، بغاوت اور تمرّد سے دوری ہوگی، غیبت، چغل خوری، عیب جوئی، بدکلامی، بدزبانی، بیہودہ گفتگو، لایعنی باتیں کرنے سے آدمی محفوظ رہے گا۔اس کی زبان پر اللہ اور اس کے رسول کا نام رہے گا، ان کے ذکر اور فکر سے زندگی کی رونقیں اور بشاشتیں باقی رہیں گی، اس سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

عن ابن عباس قال: قيل: يا رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم، أيُّ جُلَسائِنا خيرٌ؟ قال: مَن ذَكَّرَكم باللهِ رؤيتُه وزادَ في عِلمِكم مَنطِقُه وذَكَّرَكم بالآخرةِ عملُه. (رواه أبو يعلى الموصلي).

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ! ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے؟ اب یہ (کہ اسی کے پاس بیٹھا کریں) آپ نے ارشاد فرمایا: ایسا شخص پاس بیٹھنے کے لئے سب سے اچھا ہے کہ جس کا دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلادے اور اس کا بولنا تمہارے علم (دین) ترقی دے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی یاد دلادے۔

خدا کی اس زمین پر ایسے بندوں کی کمی نہیں ہے کہ جن کے چہروں پر اگر نظر پڑتی ہے تو بلاشبہ اللہ کی یاد آتی ہے اور جب وہ بولتے ہیں تو علم کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے عمل کو دیکھنے کے بعد انسان کو آخرت کی یاد آتی ہے۔منشاء رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا یہ ہے کہ صحبت ایسے لوگوں کی اختیار کی جائے جو نیک طبع، نیک خیال، نیک خو، نیک عادت اور نیک کردار ہوں، جب ان کے پاس اٹھا بیٹھا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی یقینا ہماری زندگی میں دیکھا اور محسوس کیا جائے گا۔یہ وہ علامتیں ہیں جو حدیث میں بیان کی گئیں۔دیگر احادیث میں بھی اللہ کے ان بزرگ و برتر انسانوں کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِي مُوْسى رضي الله عنه- قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَثَلُ الجليس الصَالِح و الجَليس السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ، وَكِيرِ الْحَدَّادِ، لاَ يَعْدَمُك مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ، أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَك أَوْ ثَوْبَك أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحاً خَبِيثَةً. (متفق عليه)

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ہم نشین اور بدہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لئے ہوئے ہو (یہ مثال ہے نیک صحبت کی) اور ایک شخص بھٹی کو دھونک رہا ہو (یہ مثال ہے بدصحبت کی) سو وہ مشک والا تو تجھ کو دیدے گا اور یا (اگر نہ بھی دیا تو) اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہنچ جاوے گی اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری آ پڑی) اور یا اگر اس سے بھی بچ گیا تو اس کی گندی بو ہی تجھ کو پہنچ جاوے گی۔

مراد یہ ہے کہ نیک آدمی کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے اگر کامل فائدہ بھی نہ ہوا تو کچھ نہ کچھ تو فائدہ حاصل ہوگا ہی اور برے آدمی کی ہم نشینی اختیار کرنے میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا.

(صحیح ابن حبان)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: کسی کی صحبت اختیار مت کرو بجز ایمان والے کے۔

اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ کافر کے پاس مت بیٹھو اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جاؤ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو۔مومن کے پاس جانے سے مومنانہ افکار پیدا ہوں گے، کافر کے پاس نشست کرنے سے خدانخواستہ برے خیالات اور وساوس دل میں جگہ بنالیں گے۔

حضرت ابورزینؓ سے روایت ہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو اس دین کا (بڑا) مدار ہے جس سے تم دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو۔ایک تو اہل ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑلو (اور دوسرے) جب تنہا ہوا کرو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو (اور تیسرے) اللہ ہی کے لئے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھو۔

❁❁❁

ماہِ صفر کی بدعات
اور ایک من گھڑت حدیث کا جائزہ

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ''صَفَرُ المُظَفَّر'' شروع ہو چکا ہے، یہ مہینہ انسانیت میں زمانہ جاہلیت سے ہی منحوس، آسمانوں سے بلائیں اترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا ہے، زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ) قائم کرنا منحوس سمجھتے تھے اور قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ یہی نظریہ نسل در نسل آج تک چلا آرہا ہے؛ حالاں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرمادی اور علی الاعلان ارشاد فرمادیا کہ: (اللہ تعالی کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کسی دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عَنْ أبي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قال: قال النبيُّ ﷺ: ''لا عَدْوَىٰ ولا صَفَرَ ولا هَامَةَ''

(صحيح البخاري، كتابُ الطِّب، بابُ الهامة، رقم الحديث: 5770)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات و نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات وعقائد کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

ماہِ صفر کے بارے میں ایک موضوع اور من گھڑت روایت کا جائزہ

ماہِ صفر کے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا، ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت اور اس پر ائمہ جرح وتعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے، وہ من گھڑت حدیث یہ

ہے:

"مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ"

ترجمہ: "جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا، میں اُسے جنت کی خوش خبری دوں گا"۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے، طریقۂ استدلال یہ ہے کہ چوں کہ اس مہینہ میں نحوست تھی؛ اس لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کے صحیح سلامت گذرنے پر جنت کی خوش خبری دی ہے۔

تو اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ یہ حدیث موضوع ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے؛ چناں چہ ائمۂ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتے ہوئے اس عقیدے کے باطل ہونے کو بیان کیا ہے، ان ائمہ میں ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، ان حضراتِ ائمہ کا کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

چناں چہ ملا علی القاري رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ" لَا أَصْلَ لَه" (الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرىٰ، حرف الميم، رقم الحديث: 437، 324/2،

اور علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی رحمہ اللہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ" قال القاري في الموضوعات تبعاً للصغاني: "لَا أَصْلَ لَه" (كشف الخفاء و مزيل الإلباس، حرف الميم، رقم الحديث: 2418، 538/2،

اور شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ" قال الصغاني: "موضوع" وكذا قال العراقي (الفوائد المجموعة في أحاديث الضعيفة والموضوعة للشوكاني، كتاب الفضائل، أحاديث الأدعية والعبادات في الشهور، رقم الحديث: 1260، ص: 545

اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكذا (أي: موضوع) "مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ" قزويني، وكذا قال أحمد بن حنبل: اللآلئ عن أحمد ومما تدور في الأسواق ولا أصل له.

(تذكرة الموضوعات للفتني، ص: 116)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو ماہِ صفر میں سفر نہیں کرتے (یعنی: سفر کرنا درست نہیں سمجھتے) اور نہ ہی اس مہینے میں اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں، مثلاً: نکاح کرنا اور اپنی بیویوں کے پاس جانا وغیرہ اور اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ” کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا“ سے دلیل پکڑتے ہیں، کیا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک (سند کے اعتبار سے) صحیح ہے؟ اور کیا اس مہینے میں نحوست ہوتی ہے؟ اور کیا اس مہینے میں کسی کام کے شروع کرنے سے روکا گیا ہے؟ تو جواب ملا کہ ماہِ صفر کے بارے میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے، یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو اہلِ نجوم کے ہاں پائی جاتیں تھی؛ جنہیں وہ اس لیے رواج دیتے تھے کہ ان کا وہ قول ثابت ہو سکے، جسے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے؛ حالاں کہ یہ صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے (۵ /۴۶۱)۔

اس من گھڑت اور موضوع روایت کو ایک طرف رکھیں، اس کے بالمقابل ماہِ صفر کے بارے میں بہت ساری صحیح احادیث ایسی موجود ہیں جو ماہِ صفر کی نحوست کی نفی کرتی ہیں، تو ایسی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے موضوع حدیث پر عمل کرنا یا اس کی ترویج کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن بنانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں۔

محدثین عظام کی تصریحات کے مطابق مذکورہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، لیکن اگر کچھ لمحات کے لیے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے ماہِ صفر کے منحوس ہونے پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس صورت میں اس کا صحیح مطلب اور مصداق یہ ہوگا کہ چوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ربیع الاول میں وصال ہونے والا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب عز وجل سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا؛ اس لیے ربیع الاول کے شروع ہونے کا انتظار تھا؛ چناں چہ اس شخص کے لیے آپ نے جنت کی بشارت کا اعلان فرما دیا، جو ماہِ صفر کے ختم ہونے کی (اور ربیع الاول شروع ہونے کی) خبر لے کر آئے۔

خلاصۂ کلام! یہ کہ اس حدیث کا ماہِ صفر کی نحوست سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ اسے محض مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے کی غرض سے گھڑا گیا ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت

ماہِ صفر کے بارے میں لوگوں میں مشہور غلط عقائد و نظریات میں ایک ”اس مہینے کے آخری بدھ“ کا نظریہ بھی ہے، کہ اس بدھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفا ملی اور آپ نے غسلِ صحت فرمایا،

لہٰذا اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں، شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو اس دن خوشی میں روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور خاص طریقے سے نماز بھی پڑھی جاتی ہے؛ حالاں کہ یہ بالکل خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بات ہے، اس دن تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی، نہ کہ مرض کی انتہاء اور شفاء، یہ افواہ اور جھوٹی خبر دراصل یہودیوں کی طرف سے آپ کی مخالفت میں آپ کے بیمار ہونے کی خوشی میں پھیلائی گئی تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ ذیل میں اس باطل نظریئے کی تردید میں اکابر علماء کے فتاویٰ اور دیگر عبارات پیش کی جاتیں ہیں جن سے اس رسمِ بد اور غلط روش کی اور صفر کے آخری بدھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفایاب ہونے یا بیمار ہونے کی اچھی طرح وضاحت ہوجاتی ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو روزہ رکھنے کا شرعی حکم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں ایک سوال کے جواب میں صفَر کے آخری بدھ کے روزے کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ بلادِ ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کچوری یا حلوہ پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو" کچوری روزہ" یا "پیر کا روزہ" کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

جواب: بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس (روزہ) کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم سے کسی ایک ضعیف حدیث میں (بھی) اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان وفساد اور بدعت ہونے کی؛ کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو۔ (امداد المفتین، فصل فی صوم النذر وصوم النفل، ص:416،)

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو ایک مخصوص طریقے سے ادا کی جانے والی نماز کا حکم

اس دن میں روزہ رکھنے کی طرح ایک نماز بھی ادا کی جاتی ہے، جس کی ادائیگی کا ایک مخصوص طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ دو رکعت نماز، چاشت کے وقت، اس طرح ادا کی جائے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ" دو آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد "قُلِ ادْعُوا اللهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ" دو آیتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور دعا کریں۔

اس طریقۂ نماز کی تخریج کے بعد حضرت علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس قسم کی مخصوص طریقوں سے ادا کی جانے والی نمازوں کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مخصوص طریقہ کی شریعت میں مخالفت موجود ہو تو کسی کے لیے ان منقول طریقوں کے مطابق نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مخصوص طریقے والی نماز شریعت سے متصادم نہ ہو تو پھر ان طریقوں سے نماز ادا کرنا مخصوص شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، ورنہ جائز نہیں''۔

وہ شرائط یہ ہیں:

(1) اِن نمازوں کو ادا کرنے والا اِن کے لیے ایسا اہتمام نہ کرے، جیسا کہ شرعاً ثابت شدہ نمازوں (فرائض وواجبات وغیرہ) کے لیے کیا جاتا ہے۔

(2) ان نمازوں کو شارع علیہ السلام سے منقول نہ سمجھے۔

(3) ان منقول نمازوں کے ثبوت کا وہم نہ رکھے۔

(4) ان نمازوں کو شریعت کے دیگر مستحبات وغیرہ کی طرح مستحب نہ سمجھے۔

(5) ان نمازوں کا اس طرح التزام نہ کیا جائے جس کی شریعت کی طرف سے ممانعت ہو۔ جاننا چاہیے کہ ہر مباح کام کو جب اپنے اوپر لازم کرلیا جائے، تو وہ شرعاً مکروہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے افراد معدوم (نہ ہونے کے برابر) ہیں جو مذکورہ شرائط کی پاسداری رکھ سکیں اور شرائط کی رعایت کیے بغیر ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ یہ عمل "نیکی برباد، گناہ لازم" کا مصداق تو بن سکتا ہے، تقرب الی اللہ کا نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے **مخصوصۃ، القول الفیصل في هٰذا المقام: 5/103، 104**

صفر کے آخری چار شنبہ کا حکم

سوال: صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی وسرور وغیرہ میں اطعامُ الطعام (کھانا کھلانا) کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کیا ثابت ہے؟

جواب: شرعاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں، سب جہلاء کی باتیں ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب العلم، ص: 171، عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

صفر کے آخری بدھ کی رسومات اور فاتحہ کا حکم

سوال: آخری چہار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے، اس کے اعمال شریعت میں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: آخری چہار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں، یہ سب بے اصل ہیں۔(کفایت المفتی، کتاب العقائد:2/302)

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کے بعض مروجہ اعمال و رسوم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسلِ صحت ثابت نہیں؛ البتہ شدتِ مرض کی روایت ''مدارجُ النبوۃ'' (2/704-707،) میں ہے۔

یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدتِ مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت و شقاوت کا تقاضا ہے۔

مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں (ہوتا) ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر (ہوتا) ہے، نہ ان کو اس روایت کہ خبر ہے، نہ یہ فی نفسی کفر و شرک ہے؛ اس لیے ان حالات میں کفر و شرک کا حکم نہ ہوگا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ یہ طریقہ غلط ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسلِ صحت (کرنا) ثابت نہیں ہے، (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے، (نیز!) بغیر نیتِ موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔
(فتاویٰ محمودیہ، باب البدعات والرسوم:3/280)

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا

سوال: ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی، اس خوشی میں کھانا پکانا چاہیے، یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے؛ اس لیے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ، کتاب الایمان والعقائد، باب فی رد البدعات:1/360،)

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہِ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اس

دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں؛ اس لیے اس دن خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہِ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ماہِ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلافِ اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہِ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امامُ الانبیاء جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی؛ بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ /صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے، مفتی عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں: "مسلمانوں کے لیے آخری چہارشنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ "شمس التواریخ" وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ /صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ /صفر سہ شنبہ کو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ امیرِ لشکر مقرر کیے گئے، ۲۸ /صفر چہارشنبہ کو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو چکے تھے؛ لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اُسامہ کو دیا تھا، ابھی (لشکر کے) کوچ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آخر چہارشنبہ اور پنج شنبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ: 2/1008)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ /صفر کو چہارشنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہِ صفر کا آخری چہارشنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لیے تو خوشی کا ہے ہی نہیں؛ البتہ یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے، اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعظیم کرنا، یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں"۔ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب البدعۃ والرسوم: 2/84، وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ: 2/68،69)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی تالیف "سیرت المصطفیٰ" میں لکھتے ہیں کہ

"ماہِ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام "ابومویہبہ" کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لیے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا، سر درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔ یہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا"۔ (سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، علالت کی ابتداء: 3/156)

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "صفر/ ۱۱ ہجری میں آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے، وہاں سے واپس

تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ تھا"۔ (سیرۃ النبی:115/2)

اسی کے حاشیہ میں" علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ" لکھتے ہیں:

"اس لیے تیرہ (۱۳) دن مدتِ علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ (بدھ) سے ہوتا ہے"۔ (حاشیہ سیرۃ النبی:114/2)

سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ" ۲۸/صفر ۱۱ ہجری چہار شنبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لیے دعاءِ مغفرت کی اور فرمایا: اے اہلِ مقابر تمہیں اپنا حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو، کیوں کہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں، وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہوگیا اور بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی"۔ (سیرت خاتم الانبیاء، ص:126)۔

خلاصۂ بحث

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق "مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّة" والی روایت ثابت نہیں ہے؛ بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، اس کو بیان کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن وعقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ نیز! ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفاء ملنے والی بات بھی جھوٹی اور دشمنانِ اسلام یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ہے، اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی نہ کہ شفاء کی۔

لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہمات ومنکرات سے بچیں اور قدرت بھر دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔

۞۞۞

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مولانا محمد عبداللہ معتصم

ولادت

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ 6 ذی قعدہ 1244ھ بمطابق 1869ء بروز پیر چاشت کے وقت اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے۔آپ رحمہ اللہ کی پیدائش مشہور تاریخی مقام گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار مبارک سے متصل اپنے آبائی مکان میں ہوئی،آپ رحمہ اللہ کے والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد صاحبؒ ہے۔آپؒ اپنے والد ماجد اور والدہ دونوں کی جانب سے شریف النسب،شیخ زادہ،انصاری اور ایوبی النسل تھے،سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جاملتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ میں بچپن ہی سے غیرت وحمیت،اہتمام نماز اور گناہوں سے نفرت جیسی صفات موجود تھیں،چناں چہ خود ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچپن میں ایسا یقین نصیب فرمایا تھا کہ اگر دوران کھیل نماز کا وقت آجاتا تو بلا کسی تاخیر کے کھیل چھوڑ کر نماز کے لیے چلا جاتا تھا اور لوگوں سے کہہ دیتا کہ ہم نے اپنے ماموں صاحب سے سنا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا منافق لکھا جاتا ہے۔اندازہ کیجیے کہ جس فرمان رسول سے عموماً لوگ غفلت کا شکار ہوتے ہیں،حضرت مولاناؒ صغرسنی میں اس کا کتنا خیال رکھتے تھے!

تعلیم وتربیت

آپؒ نے ابتدائی دینی تعلیم ایک مقامی استاد میاں جی قطب بخش صاحبؒ سے حاصل کی،اس کے بعد فارسی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد عنایت احمد صاحبؒ اور مولانا محمد تقی صاحبؒ سے پڑھیں،فارسی کے بعد عربی پڑھنے کا شوق ہوا تو آپ رام پور تشریف لے گئے اور وہاں مولانا محمد بخش صاحبؒ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔مولانا محمد بخشؒ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپؒ کو دہلی جانے کا مشورہ دیا،استاد کے مشورہ کو حکم سمجھتے ہوئے آپؒ نے 1261 میں دہلی کا سفر کیا،چوں کہ اس دور میں دہلی علوم وفنون کا مرکز تھا او رمختلف عظیم ہستیاں حلقہ درس لگائے ہوئے تھیں،لیکن مولاناؒ کی ذہین طبیعت کو کہیں تشفی نہ ہوئی،آخر ایک دن آپؒ مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے حلقہ درس میں گئے تو وہاں دل لگ گیا اور فیصلہ کرلیا کہ یہیں پڑھوں گا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ان دونوں مولانا مملوک علی صاحبؒ کے پاس زیر تعلیم تھے،چناں چہ اپنے زمانہ کے شمس وقمر نے ایک جگہ تعلیم حاصل کرکے کتاب وسنت کی ایسی تحریک چلائی کہ پورا برصغیر

پاک وہند علم دین سے جگمگا اٹھا، یہ دونوں حضرات پوری جماعت کے ذہین وفطین طلباء میں سے تھے بسا اوقات علمی مسائل میں مناظرہ تک کی نوبت آجاتی تھی، تمام طلباء ان حضرات کی نکتہ سنجیوں سے خوب محفوظ ہوتے تھے، اساتذہ ان مناظروں کا فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے تھے" رشید احمد حق پر ہے، مگر قاسم اپنی تیزی سے ہاتھ نہیں آتا۔" (تذکرۃ الرشید، ص:30)

مولانا مملوک علیؒ کے علاوہ حضرت گنگوہیؒ نے بعض علوم عقلیہ مولانا مفتی صدرالدین صاحبؒ سے بھی پڑھے اور حدیث شریف کے اسباق قدوۃ العلماء حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے پڑھے۔ نانوتوی اور گنگوہی رحمہا اللہ دونوں شاگرد یہاں بھی اپنی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے استاد کی خصوصی عنایات کے مستحق ٹھہرے، حضرت گنگوہیؒ کی دہلی میں تعلیمی مدت تقریباً چار سال بنتی ہے، اس مدت کو ملاحظہ کیا جائے اور پھر آپؒ کے علم واستعداد کو دیکھا جائے (جس کا مخالفین بھی اعتراف کرتے تھے) تو بے ساختہ دل سے آواز اٹھتی ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

تدریس

یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو تمام علوم میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی، لیکن حدیث وفقہ سے آپؒ کو بہت زیادہ شغف تھا، اپنے زمانہ میں آپؒ حدیث اور فقہ کے امام تسلیم کیے جاتے تھے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کو آپ نے چودہ مرتبہ سے زیادہ پڑھایا تھا، تقریباً 49 سال تک درس حدیث دیتے رہے۔ اس دوران سینکڑوں طلبائے کرام نے آپؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی، آپؒ کے درس حدیث میں ایک بڑی اور اہم خوبی یہ تھی کہ مضمون حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، یہ خاص اثر اس لیے تھا کہ آپؒ سب سے زیادہ متبع سنت تھے، آپؒ کی تدریس میں محویت کا ایسا عالم ہوتا تھا کہ ہر شریک درس کی یہ خواہش ہوتی کہ سلسلہ درس مزید دراز ہو اور جب سبق ختم ہوتا تو ہر ایک یہ سمجھتا کہ ابھی تشنگی باقی ہے۔

سلوک وتحصیل معرفت

خدا طلبی اور معرفت خداوندی کا شوق ابتداء سے آپؒ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا، چناں چہ تحصیل علم کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب مرشد کامل کی تلاش ہوئی اور یہی جستجو آپؒ کو تھانہ بھون لے آئی اور وہاں پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے۔ بیعت کے چند ہی دنوں بعد

حضرت حاجی صاحبؒ نے آپؒ کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا "میاں مولوی رشید احمد! جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے وہ میں نے تجھے دے دی آئندہ اس کو بڑھانا تیرا کام ہے"۔

اس خدائی نعمت کو (جس کے لیے دردر کی خاک چھاننا پڑتی ہے) پا کر جب آپؒ واپس گنگوہ تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ، جو تین سو سال سے ویران اور خراب وخستہ پڑی تھی، کو مرمت کر کے آباد کیا اور وہیں پر ذکر وفکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے، ہر وقت استغراق، محویت اور تفکر کے عالم میں رہتے۔

اکثر تمام شب روتے روتے گزرجاتی، والدہ ماجدہ نے آپؒ کے لیے نیلے رنگ کی ایک چادر بنائی تھی کہ رات کو مسجد آتے جاتے خنکی سے محفوظ رکھے۔ مولانا کی گریہ وزاری اور آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے اس کا رنگ کئی جگہ سے متغیر ہوگیا تھا۔

آپؒ رات کے آخری پہر میں اس انداز اور جذب وکیفیت سے ذکر جہر فرماتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے۔ خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اس کی کسی کو کیا خبر۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہو گی

تواضع وانکساری

باوجود فضل وکمال کے، آپؒ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، آپؒ اپنے کو کبھی بھی کسی دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دوران درس ایسی بلیغ تقریر فرمائی کہ طلبہ جھوم اٹھے اور آپ کے سامنے ہی آپ کی تعریف کرنے لگے تو آپؒ رو پڑے اور بے ساختہ قسم کھا کر فرمایا "اپنے کو تم میں سے کسی کے برابر بھی نہیں سمجھتا، چہ جائیکہ زیادہ سمجھوں"۔

آپؒ کو قسم کھانے کی مطلق عادت نہ تھی، لیکن اس موقع پر بلا اختیار آپ سے قسمیہ الفاظ صادر ہوگئے۔

ایک دفعہ درس حدیث کے دوران بارش شروع ہوگئی، طلبہ نے بارش سے بچانے کی غرض سے جلدی جلدی کتابیں اور تپائیاں اٹھائیں اور چل دیے، اچانک طلبہ نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ نے اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اٹھائے چلے آرہے ہیں، طلبہ بہت زیادہ نادم وحیرت زدہ ہوئے تو فرمایا "اس میں کون سی بری بات ہے، تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے، طلبائے دین کے لیے تو مچھلیاں سمندر میں، چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمانانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔"

جب 1857ء کا ہولناک حادثہ ختم ہوا تو حکومت برطانیہ نے ہر اس آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دیا جس کے متعلق ذرا سا بھی شبہ ہوا کہ یہ تحریک آزادی سے متعلق ہے چناں چہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ تو مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمہما اللہ روپوش ہو گئے، لیکن مخبر کی خبر رسانی سے حضرت گنگوہیؒ کو گرفتار کیا گیا اور سہارن پور کی کال کوٹھڑی میں رکھا گیا۔ تین چار دن کال کوٹھڑی میں بند رہے، تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی، آخر عدالتی فیصلے کے تحت آپؒ کو مظفر نگر جیل بھیج دیا گیا۔

وہاں پر آپؒ تقریباً چھ ماہ رہے، اس عرصہ میں آپؒ کے عزم واستقلال، بلند ہمتی اور حق گوئی میں کچھ فرق نہ آیا۔ بالآخر جب حکومت کو کوئی ثبوت آپ کے متعلق نہیں ملا تو آپؒ کو باعزت رہا کر دیا گیا۔

تصانیف

مولانا گنگوہیؒ کو تصنیف وتالیف سے کچھ زیادہ شغف نہ تھا، البتہ مسائل شرعیہ اور خالصتاً مختلف فیہ مسائل میں رفع تضاد کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ دیتے تھے۔ آپؒ کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔

(۱) ردالطغیان فی اوقاف القرآن.....قرآن مجید کے اوقاف کو بدعت ثابت کرنے والوں کا جواب۔

(۲) ھدایۃ الشیعہ......ایک شیعہ عالم ہادی علی لکھنوی کے اعتراضات کے جوابات۔

(۳) زبدۃ المناسک......حج کے مناسک سے متعلق ایک عام فہم رسالہ۔

(۴) قطوف دانیہ......قراءت فاتحہ خلف الامام کے جوابات۔

(۵) سبیل الرشاد......ردعدم تقلید۔

(۶) رسالہ تراویح......بیس رکعات تراویح کا احادیث سے ثبوت۔

(۷) لطائف رشیدیہ......آیات قرآنی کے نکات وغیرہ۔

(۸) تصفیۃ القلوب......حضرت حاجی صاحب کی تصنیف "ضیاء القلوب" کا اردو ترجمہ۔

وفات حسرت آیات

جمادی الاولیٰ 1322ھ کو آپؒ تہجد کی نماز میں مشغول تھے کہ آپ کے پاؤں کی دوانگلیوں کے درمیان کسی جانور نے کاٹا۔ آپ نے معمولی زخم سمجھ کر توجہ نہ دی، آخری یہی زخم وفات کا سبب بنا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہذا

ماہانہ ضمنی امتحان کا انعقاد

ابتدائی جماعتوں کی استعداد کو پختہ اور صیقل کرنے کے لئے ہر دو ماہ پر امتحانات منعقد ہوتے ہیں، اور انہیں کی بنیاد پر طلبہ کی بندشِ طعام واجرائے طعام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، تعلیمی سال کے اولین ماہانہ امتحان میں جن طلبہ کا نمبر ۴۰ ر یا اس سے کم رہا، ان کا دوبارہ امتحان ہوا۔ اسی طرح جس کتاب میں بھی ۴۰ ر یا اس سے کم نمبرات آئے ان سب کا امتحان ہوا۔ یہ ضمنی امتحان بھی انہیں ممتحنین کے ذریعے ہوا جنہوں نے ماہانہ امتحان میں طلبہ کی کتابی تیاریوں کا تجزیہ پیش کیا تھا۔ ماہانہ امتحان کا یہ قانون اعدادیہ سمیت عربی اول تا عربی پنجم شامل ہیں۔

انجمن کواکبِ انور کی سرگرمیاں

طلبہ کی تقریری وتحریری تربیت گاہ ''انجمن کواکبِ انور'' کی سرگرمیاں شباب پر ہیں، طلبہ کی روز افزوں تعداد کے پیش امسال نگراں اعلیٰ محترم جناب مولانا محمد ابوطلحہ اعظمی زید مجدہم استاذ حدیث جامعہ نے طلبہ کو کئی حلقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ سارے حلقے ائمۂ اربعہ سمیت بعض صحابۂ کرامؓ کے اسماء سے موسوم ہیں، ہر حلقے کے سرکردہ طلبہ نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور شریکِ حلقہ احباب کی کارکردگی کو رجسٹر میں قلم بند کرتے ہیں، اس سے تیاریوں کا معیار بلند وبالا ہو گیا ہے۔

یومِ عاشورہ کے موقع پر طلبہ کی خصوصی ضیافت

یوں تو جامعہ کا مطبخی نظام روزِ اول سے ہی بہترین ہے، مگر عاشورہ کے موقع پر طلبہ کے لئے خصوصی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے۔ حالیہ عاشورہ کے دن بھی بہترین کھانے کا انتظام کیا، جس سے طلبہ نے لذتِ کام

ودہن پائی۔

نگرانِ اعلیٰ محترم قاری محمد بلال احمد صاحب زید مجدہم کے مطابق بریانی اور زردہ سے مہمانانِ مسلمین کی ضیافت کی گئی، نائب نگراں مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی کے بقول جامعہ کے سارے ہی طلبہ اس سے مستفید ہوئے، خواہ ان کا داخلہ امدادی ہو یا غیر امدادی۔

رواقِ انظر کی تعمیر حسبِ سابق جاری

جامعہ کا زیرِ تعمیر دارالاقامہ تیز رفتار تعمیر کے ساتھ آدھی منزل تک پہنچنے کے قریب ہے۔ اس کی تکمیل سے طلبہ کی رہائشی مشکلات بہت حد تک دور ہوجائیں گی، ۴۶ رکمروں پر مشتمل یہ دارالاقامہ جدید طرزِ تعمیر کے مطابق تیار ہوگا۔ قارئین سے اس کی جلد از جلد تکمیل کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف متالا کا انتقال

برطانیہ سے تعلق رکھنے والی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا محمد یوسف متالا بھی ملکِ عدم کے راہی ہوگئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. مرحوم کا آبائی تعلق گجرات کے سورت سے تھا، برطانیہ میں اپنے قائم کردہ ادارے کے ذریعے انہوں نے دین کی بڑی خدمات انجام دیں۔ سینکڑوں فضلا تیار ہوئے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ مولانا مرحوم بہترین مصنف اور صاحبِ قلم بھی تھے۔ ان کے قلم سے کئی محققانہ کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ ان سب کے ساتھ وہ سلوک وتصوف سے بھی منسلک تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے اہم خلفاء میں سے تھے۔ رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہٗ نے ان کے انتقال کو عظیم خسارہ قرار دیا ہے۔ جامعہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی۔

۞۞۞

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/c No. 520101265117956

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786